سلسلۂ تبلیغ ۴۴ بار اوّل: ۲۰۰۰

وعظ

درجات الاسلام

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک ○ علامہ اقبال ٹاؤن ○ لاہور

فون کامران بلاک ۴۴۳۸۰۶۰ ۵۴۱۴۳۸۶ فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۳۷۲۸

صفر سنہ ۱۴۱۸ھ جون سنہ ۱۹۹۷ء

درجات الاسلام

یہ وعظ حضرت والاؒ نے ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ بروز اتوار اڑھائی گھنٹے تک شیخ رشید احمد صاحب سوداگر میرٹھ کی درخواست پر جامع مسجد صدر بازار میرٹھ (یو-پی بھارت) میں، کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا- حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے قلمبند فرمایا- سامعین کی تعداد تقریباً ۳۵۰۰ تھی-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد! فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب علماءھم شر من تحت ادیم السماء تبدأ منھم الفتنۃ وفیھم تعود.

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ لوگوں میں اسلام کا نام ہی رہ جائے گا اور قرآن سے کچھ نہ رہے گا مگر رسم یعنی نقش ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی لیکن حقیقت میں خراب ہوں گی ان کے علماء آسمان سے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے ان ہی سے دین میں فتنہ برپا ہوگا اور ان ہی میں لوٹ آئے گا) (الحدیث)

جس عبارت کی میں نے اس وقت تلاوت کی ہے یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد جناب رسول اللہ ﷺ کا (فداہ آبانا و امھاتنا) آپ پر ہمارے باپ مائیں قربان ہوں) اس میں حضرت سیدنا محمد مصطفی ﷺ انفسی وروحی فداہ (میری جان اور روح آپ پر فدا ہو) نے اسلام کے درجات کے تفاوت[1] کی طرف اشارہ فرمایا ہے بلکہ اشارہ کیا ہے قریب صراحت کے ہے چنانچہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔ اسی سے سامعین کو اس مضمون کی ضرورت معلوم ہو گئی ہوگی کیونکہ اسلام سے

۱۔ فرق

بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی مقصود نہیں ہمارا مقصود صرف اسلام ہے اور ہمارے تمام مقاصد باوجود متفرق و منتشر[1] ہونے کے سب اسی ایک لفظ میں مدغم[2] ہیں یعنی لفظ اسلام میں ہمارا کوئی مقصود بھی اس سے خارج نہیں اس میں ہمارے افعال بھی آگئے اور اقوال بھی اور احوال بھی تمام شعبے اسی امر واحد کی طرف راجع[3] ہیں مسلمانوں کی کوئی حالت کوئی قول و فعل اس سے خارج نہیں مقاصد حقیقیہ باسرہا (تمام کی تمام) اسی ایک چیز میں منحصر ہیں یعنی اسلام۔

اقسام مقاصد

مقاصد میں حقیقیہ کی قید میں نے اس لیے لگائی کہ مقاصد کی دو قسمیں ہیں بعض مقاصد حقیقیہ ہیں اور بعض غیر حقیقیہ تمام مقاصد کا ایک درجہ نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ ایک مقصود دوسرے مقصود سے راجح اور مقدم[4] ہوتا ہے پس دنیوی امور جو مسلمانوں کے مقاصد میں داخل ہیں وہ مقاصد غیر حقیقیہ ہیں اگر دنیوی امور کا اسلام کی طرف راجع ہونا کسی کے نزدیک مخفی[5] ہو تو ممکن ہے لیکن اس میں تو کچھ شک نہیں کہ مقاصد حقیقیہ سب اسی کی طرف راجع[6] ہیں اور دنیوی امور مقاصد غیر حقیقیہ ہیں اگر وہ راجع نہ ہوں نہ سہی اس لیے میں نے حقیقیہ کی قید لگادی لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دنیوی مقاصد بھی اسلام ہی کی طرف راجع ہیں وہ بھی اس سے جدا[7] نہیں ہوسکتے مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس وقت ایک اندھا آدمی کنویں پر آرہا ہے کہ اگر اس کو بچایا نہ جائے تو کنویں میں گرجانے کا اندیشہ ہے اس وقت واجب بلکہ فرض ہے کہ نماز کو توڑ دے گو وہ نماز فرض ہی ہو اور اس اندھے کو بچائے یہاں ظاہر[8] میں گو شبہ ہوسکتا

۱۔ جدا جدا اور بکھرے ہوئے ۲۔ شامل ۳۔ ایک حکم کی طرف لوٹتے ہیں ۴۔ دونوں اگرچہ مقصود ہوتے ہیں لیکن ایک کو دوسرے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے کسی وجہ سے ۵۔ پوشیدہ ۶۔ لوٹنے والے ۷۔ الگ ۸۔ ظاہری نظر سے احکام کو دیکھنے والا

ہے کہ اس میں دنیا کو دین پر مقدم[1] کرنا لازم آتا ہے کیونکہ نماز دین کا کام ہے اور جان کا بچانا دنیوی کام ہے۔ مگر واقع میں یہاں دنیا کی تقدیم دین پر نہیں ہے گو ظاہر میں شبہ ہوتا ہے بلکہ ایک امر دین کی تقدیم ہے دوسرے امر دین[2] پر کیونکہ حفاظت جان مسلم یہ بھی دین ہے گو ظاہر میں کسی کے لیے تو دنیا ہے مگر ہمارے لیے تو یہ دین ہی کا کام ہے اگر حفاظت جان مسلم ہمارے لیے دنیا کا کام ہوتا تو یہ حفاظت اسی جگہ واجب ہوتی جہاں ہماری دنیا کا نفع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس حکم میں نہ قرابت[3] کی قید ہے نہ دوستی کی۔ بلکہ ہر مسلمان کی جان بچانا فرض ہے خواہ وہ عزیز ہو یا اجنبی دوست ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ دشمن کی جان کا بچانا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دشمن کی حفاظت دنیا ہو ہی نہیں سکتی بلکہ یہ تو دنیا کے لیے مضر[4] ہے کیونکہ اگر دشمن ہلاکت سے بچ گیا تو ساری عمر کے لیے ایک مشغلہ رہے گا مگر شریعت کا حکم ہے کہ اگر تمہارا کوئی دشمن بھی کنوئیں میں گرتا ہو یا کوئی شخص اسکو ناحق قتل کرتا ہو تو اس کا بچانا حسب وسعت[5] واجب ہے اس جگہ اس کی جان کی حفاظت مسلم ہونے کے لحاظ سے واجب ہے اور یہ دین ہے اور تعمق[6] کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لیے اپنی جان کی حفاظت دین میں داخل ہے گو ظاہر میں یہ دنیا کا کام معلوم ہوتا ہے کیونکہ جان ہماری نہیں ہے یہ خدا کی امانت ہے اس کو حکم الٰہی کے موافق خرچ کرنا چاہیے اگر کسی جگہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا شرعاً جائز نہ ہو تو وہاں جان کی حفاظت شرعاً واجب ہے اور یہ دین کا کام ہے مگر چونکہ ان امور کا دین ہونا اکثر لوگوں پر مخفی[7] ہے اس لیے میں نے تقریب الی الفہم (سمجھ کے قریب کرنے) کی غرض سے مقاصد میں حقیقیہ

۱۔ دنیا کو دین پر ترجیح دینا لازم آتا ہے ۲۔ ایک دینی کام کو دوسرے دینی کام پر ترجیح دی گئی ہے دنیا پر نہیں ۳۔ رشتہ داری ۴۔ نقصان دہ ۵۔ اپنی طاقت کے مطابق ٦۔ گہری نظر سے دیکھنے کے بعد ۷۔ پوشیدہ

کی قید لگادی تھی ورنہ در حقیقت ہمارے سب مقاصد خواہ حقیقی ہوں یا غیر حقیقی سب کے سب اسلام کی طرف راجع ہیں سب کام کا مرجع[1] اسلام ہی ہے۔ پس ہمارا سب کا ایک ہی مقصود ہے یعنی اسلام اور وہ مشتمل ہے تمام مقاصد حقیقیہ و غیر حقیقیہ کو اس میں نماز روزہ حج زکوٰۃ بھی آگئے اور کھانے پینے کے احکام متعلق آمدنی بھی آگئے اسی طرح تمام معاملات و معاشرات و سیاسیات بھی اس میں داخل ہیں گو لوگوں نے ان کو اسلام سے خارج سمجھ رکھا ہے۔

لوگوں میں دینداری کا معیار

آج کل صرف چند عبادات کو اسلام میں داخل سمجھا جاتا ہے نماز روزہ ہی میں لوگوں نے دین کو منحصر کرلیا ہے بس اگر نماز پڑھ لیں تو دیندار ہیں اور اگر تہجد بھی پڑھنے لگیں تو جنید ہیں اور اگر زکوٰۃ بھی دینے لگیں پھر تو ان کی دینداری میں کچھ کسر ہی نہیں اور اگر حج بھی کرلیا تو گویا رجسٹری ہوگئی۔ گو معاملات کیسے ہی خراب اور گندے ہوں اگر معاملات و معاشرات کو بھی دین میں داخل سمجھا جاتا تو فقط نماز روزہ کرلینے سے ہم اپنے کو دیندار نہ سمجھتے کیونکہ ابھی بعض اجزاء دین کے ہم سے فوت[2] ہو رہے ہیں مگر ہماری حالت یہ ہے کہ تہجد پڑھ لینے کے بعد اپنے کو دیندار سمجھنے لگتے ہیں۔ نیز کسی قدر وضع کی درستی کو بھی دین میں داخل سمجھتے ہیں کہ ثقہ[3] وضع ہو چوغہ اور پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو لباس ریشمی نہ ہو ڈاڑھی منڈی ہوئی یا کتری ہوئی نہ ہو تشبہ بالکفار نہ ہو اگر ایسی وضع ہوگئی تو بس ان کی دینداری میں کچھ کسر نہیں رہی بڑے پکے دیندار ہوگئے پھر دوسروں کو اگر ہماری وضع دیکھ کر دینداری کا گمان ہو تو کچھ تعجب نہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ ہم خود بھی اپنے کو ایسا ہی سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ ہم کو معلوم ہے کہ معاملات وغیرہ میں ہماری

۱۔ اصل الاصول ۲۔ چھوٹ رہے ہیں ۳۔ نیک لوگوں کا سا لباس

کیا حالت ہے بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القیٰ معاذیره[1] (بلکہ انسان خود اپنی حالت پر مطلع ہے گو اپنے حیلے پیش لائے) انسان اپنی اصلی حالت کو خوب جانتا ہے گو وہ کیسے ہی بہانے بنائے وہ بہانے کیا ہیں؛ وہ بہانے یہ ہیں کہ بعض دفعہ انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہوتی ہے خوب جانتا ہے کہ میں بہت سے کام شریعت کے خلاف کرتا ہوں مگر اس کی وضع اور نماز روزہ کی وجہ سے لوگ اس کے معتقد ہیں تو اس سے وہ خود بھی دھوکہ میں آجاتا اور اپنے نفس کا معتقد ہوجاتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اتنے آدمی مجھے دیندار سمجھتے ہیں گویا میری دینداری پر اجماع[2] ہوچکا ہے اور اتنے آدمیوں کا اجماع غلط نہیں ہوسکتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اجماع کہاں ہوا ہے ابھی ایک مسلمان کا اختلاف باقی ہے اور وہ اختلاف ایسے شخص کا ہے جس کا اختلاف اس اجماع میں قادح[3] ہے وہ مسلمان کون ہے وہ خود تم ہو کیونکہ تمہارا دل تو جانتا ہے کہ تم دیندار نہیں ہو پھر یہ اجماع کیونکر حجت ہوسکتا ہے تم جانتے ہو کہ میں نے بلوغ کے بعد بہت سی نمازیں قضا کی ہیں جن کو ابھی تک ادا نہیں کیا نہ ادا کی فکر ہے دوسروں کو اس حالت کا علم نہیں اس لیے وہ تم کو دیندار خیال کرتے ہیں مگر تم کو تو اپنی حالت معلوم ہے کہ میں ایک گناہ میں مبتلا ہوں نیز تم حج میں بلاوجہ تاخیر کر رہے ہو تمہارے ذمہ کسی کا قرض آتا ہے جس کو ٹال رہے ہو پھر تم اپنے کو دیندار کیونکر سمجھتے ہو۔ یہ ہے وہ بہانہ جو منجملہ دوسرے بہانوں کے اکثر لوگوں کو گمراہ کیے ہوئے ہے کہ وہ محض دوسروں کے اعتقاد کی بنا پر اپنے معتقد ہو رہے ہیں حالانکہ ہر ایک کو اپنی حقیقت معلوم ہے اور وہ جانتا ہے کہ مجھ میں بہت سی باتیں دینداری کے خلاف موجود ہیں۔ تو یہ دینداری کیا ہوئی نوتہ[4] ہوا کہ تم اس کو دیندار کہو اور وہ تم کو دیندار

۱۔ پارہ ۲۹ سورۃ القیامہ ۲۔ سب کا تفق ہوچکا ہے ۳۔ رکاوٹ ۴۔ شادی وغیرہ میں جو پیسے دیتے ہیں کہ جس نے ہماری تقریب میں دیا ہم اس کی تقریب میں دیں گے اور جتنے اس نے دیے اتنے ہی ہم دیں گے اس کو نوتہ کہتے ہیں یہ لین دین ناجائز ہے یہاں بطور مثال بیان کیا کہ وہ مجھے دے میں اس کو دوں

سمجھتا ہے تم اس کو نوتہ دے رہے ہو وہ تم کو نوتہ دے رہا ہے۔

ایک بے وقوف کی حکایت سے عجیب استدلال

یہ تو وہی حکایت ہوئی کہ گھر سے آیا ہے معتبر نائی ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ پردیس میں تھا اور بال بچے گھر پر تھے ایک دن اس کی بیوی نے غسل کیا تھا اس لیے نتھ اتار کر رکھدی تھی اس حالت میں گھر کی نائن آئی اس نے جو دیکھا کہ بیوی جی کے ناک میں نتھ نہیں تو وہ یہ سمجھی کہ شاید یہ رانڈ[۱] ہو گئی ہے اس لیے نتھ اتار دی ہے وہ الٹے پاؤں اپنے گھر گئی اور نائی سے جا کر کہا کہ تو بے فکر کیا بیٹھا ہے جلدی سے جا کر اپنے ججمان[۲] کو اطلاع کردے کہ آپ کی بیوی رانڈ ہو گئی کیونکہ آج میں نے اس کو نتھ اتارے ہوئے بیٹھا دیکھا ہے اور اس حالت میں بیوہ ہی رہا کرتی ہے[۳]۔ وہ نائی بھی بیوی کی طرح بیوقوف تھا دوڑا اپنے آقا کے پاس پہنچا بہت دور جگہ تھی کئی دن میں راستہ طے ہوا۔ میاں نے پوچھا کہاں سے آرہا ہے، نائی نے کہا حضور کے گھر سے آرہا ہوں پوچھا ہمارے گھر خیریت تھی کہا حضور اور تو سب خیریت ہے مگر آپ کی بیوی بیوہ ہو گئی آقا صاحب دونوں سے بڑھ کر احمق تھے یہ سن کر لگے رونے اور اسی وقت غمی کا سامان ہونے لگا۔ دوست احباب کو جو اطلاع ہوئی تو یہ سمجھے کہ شاید گھر سے کوئی خبر ایسی ویسی آئی ہو گی تعزیت کے لیے مجتمع ہو گئے جب مجمع اکٹھا ہو گیا تو کسی نے دریافت کیا کہ گھر سے کوئی اطلاع آئی ہے کہنے لگے کہ ہائے میری بیوی رانڈ ہو گئی، اب تو لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ خبر کیسی جب بیوی کا شوہر یہ صحیح سلامت ہے تو پھر وہ بیوہ کیونکر ہوئی دوستوں نے کہا میاں تم بڑے بے وقوف ہو جب تم صحیح سلامت

۱- بیوہ ۲- ۳- شوہر کے انتقال پر چونکہ عورت کو زیب و زینت زمانہ عدت میں منع ہے اس لیے اس کے نتھ اترے ہونے پر یہ گمان ہوا

بیٹھے ہو تو تمہاری بیوی رانڈ کہاں ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن گھر سے جو نائی خبر لایا ہے نہایت معتبر ہے اس لیے یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی گو میں جانتا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے وہ بیوہ نہیں ہو سکتی اس حکایت پر تو سب ہنستے ہیں مگر صاحبو! اس حماقت میں ہم سب مبتلا ہیں کہ باوجودیکہ اپنی دینداری کی حالت ہم کو معلوم ہے لیکن محض دوسروں کے اعتقاد کی وجہ سے ہم اپنے معتقد ہو رہے ہیں اس شخص نے جو باوجود اپنے زندہ ہونے کے اپنی بیوی کو بیوہ مان لیا اس میں کیا تاویل ہو سکتی ہے سو اس کے کہ بیوہ کے معنے بدل دیے جائیں کہ ایک قسم بیوہ کی وہ ہے جس کا شوہر مر جائے اور ایک قسم وہ ہے جو نتھ بالی اتار دے مگر یہ خاص نو ایجاد اصطلاح ہوگی، ولامشاحۃ فی الاصطلاح (اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں) سو ہم آپ کی اصطلاح میں مزاحمت نہیں کرتے ممکن ہے کہ آپ کے نزدیک دینداری کی بھی دو قسمیں ہوں ایک حقیقی دیندار دوسرے وہ جس کو لوگ دیندار سمجھیں اس نئی اصطلاح کے موافق آپ دیندار کیا شیخ بھی بن سکتے ہیں مگر اس حالت میں آپ ویسے ہی شیخ ہوں گے جیسے سب کا گرو شیخ نجدی ہے یعنی شیطان۔

حقیقی دینداری

غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دین کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لیے محض نماز روزہ کر کے اپنے کو دیندار سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ معاملات و معاشرات وغیرہ بھی سب دین ہیں حتیٰ کہ پیشاب و پاخانہ کرنا اور ان سے فراغت کرنا بھی دین ہے گو ظاہر میں راحت نفس ہے مگر ان کاموں میں اگر نیت درست رکھی جائے تو سب دین کے کام ہیں مثلاً پیشاب و پاخانہ اس نیت سے کرو کہ اس سے فارغ ہو کر طبیعت ہلکی ہوگی اور تندرستی قائم رہے گی تو نماز وغیرہ میں دل لگے گا

اس نیت سے یہ کام بھی باعث ثواب ہوں گے حدیث میں ہے لا یصلی احدکم وھو یدافعہ الاخبثان. یعنی ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو کہ تم کو بول و براز[۱] کا تقاضا ہو۔ اب دیکھئیے اس وقت نماز پڑھنا حرام اور پیشاب و پاخانہ سے فراغت کرنا واجب ہے اور یہ شخص دنیا کے کام میں نہیں بلکہ دین کے کام میں ہے کیونکہ اس حالت میں یہ حکم شرعی کا امتثال[۲] کر رہا ہے۔ پس دین کی حقیقت امتثال[۳] امر ہے جس وقت جس کام کا شریعت امر کرے اس وقت وہی دین ہے فقط نماز روزہ ہی دین نہیں بلکہ نماز وغیرہ بھی اسی وقت تک دین کے کام ہیں جبکہ امر کے موافق[۴] ہوں اگر امتثال امر نہ ہو تو یہ بھی دین میں داخل نہیں۔ مثلاً نماز خلاف امر ہو جیسے طلوع یا غروب کے وقت پڑھی جائے تو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ روزہ کیسی اچھی عبادت ہے مگر خلاف امر ہو تو وہ بھی دین کا کام نہیں۔ مثلاً کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے اور تمام دن غیبت بھی نہ کرے ذکر شغل[۵] ہی میں مشغول رہے اور تمام آداب صیام[۶] کی رعایت کرے مگر شام کو یہ شخص مردود[۷] ہے کیونکہ اس دن روزہ رکھنا خلاف امر ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص حج کرے مگر ذی الحجہ کی نویں تاریخ کے بجائے دسویں کو وقوف عرفہ کرے تو اس کا حج مردود ہے کیونکہ اس نے خلاف امر کیا۔ پس معلوم ہوا کہ دین کی حقیقت امتثال امر ہے۔

انسان اور دوسری مخلوقات کی عبادت میں فرق

چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے آیت وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون میں یہی نکتہ بیان فرمایا تھا۔ کیونکہ ظاہر میں اس آیت پر ایک اشکال

۱۔ پیشاب پاخانے ۲۔ ایک شرعی حکم کا اتباع کر رہا ہے ۳۔ حکم کی تابعداری کرنے ۴۔ حکم کے مطابق ہوں ۵۔ تسبیح وغیرہ ۶۔ روزے کے تمام آداب بجالائے ۷۔ عمل رد کیا جائے گا

وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے جن وانس کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے حالانکہ دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے علاوہ بھی تمام مخلوق عبادت میں مشغول ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ الم تر ان اللّٰہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس[١]۔ (کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی) اس سے معلوم ہوا کہ پہاڑ اور درخت اور تمام جانور عبادت کرتے ہیں اور ان میں کوئی قید بھی نہیں لگائی اور انسان کے لیے کثیر من الناس (بہت سے آدمی) کی قید بھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان تو سب کے سب عبادت نہیں کرتے اور درخت جانور وغیرہ کو بلا قید بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سب کے سب عبادت میں مشغول ہیں تو وصف عبادت میں بظاہر دوسری مخلوق انسان و جن سے بڑھی ہوئی ہیں پھر بھی پہلی آیت میں عبادت کو انسان و جن کے لیے تخصیص کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ان کو محض عبادت ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس اشکال کا جواب حضرت حاجی صاحب کی ایک تحقیق سے معلوم ہوتا۔ حاجی صاحب نے بطور نکتہ کے فرمایا تھا کہ عبادت کا مادہ عبد ہے جس کے معنی ہیں غلام اور اس لفظ میں غایت ذلت کا اظہار ہے چنانچہ لغتہً عبادت کے یہی معنیٰ ہیں اسی لیے عبادت کا درجہ حق تعالیٰ کے لیے خاص ہے غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔

اللہ کے پسندیدہ نام

حق تعالیٰ کو عبادت بہت پسند ہے حتیٰ کہ تسمیہ[٢] میں بھی اس کی رعایت

١۔ آیت ۱۷ سورۃ الحج ۲۔ نام رکھنے میں

کو حدیث میں مستحب کیا گیا ہے حدیث میں ہے احب الاسماء الی اللہ عبداللہ وعبدالرحمن۔ حق تعالیٰ کو سب ناموں سے زیادہ محبوب عبداللہ و عبدالرحمن ہے جن کے لفظوں ہی سے بندگی اور غلامی کا اظہار ہے۔ عورتوں کو اگر شبہ ہو کہ حضور ﷺ نے عورتوں کے وہ نام نہ بتلائے جو حق تعالیٰ کو پسند ہوں تاکہ ہم بھی وہی نام رکھا کریں تو یاد رکھو کہ اس حدیث میں عورتوں کے لیے بھی نام موجود ہیں عبد کا مؤنث امۃ ہے تو عورتوں کو امۃ اللہ وامۃ الرحمن نام رکھنا چاہیے۔ اس کے معنی ہیں خدا کی بندی جیسے عبداللہ کے معنی ہیں خدا کا بندہ۔ اور ہر چند کہ حق تعالیٰ کے نام بہت ہیں مگر حدیث میں عبد کی اضافت اللہ اور رحمن کی طرف خصوصیت سے اس لیے کی گئی ہے کہ ان دو ناموں میں ایک خاص ترجیح ہے وہ یہ کہ اللہ اسم علم[1] ہے باقی تمام نام اسماء صفات ہیں۔ صفات میں سے رحمن کو یہ ترجیح ہے کہ اس میں مبالغہ زیادہ ہے اس لیے لغتہً رحمن کا اطلاق غیرخدا پر نہیں کیا جاتا تو گو حقیقت میں یہ بھی اسم صفت ہے مگر غلبۂ استعمال کی وجہ سے اسم علم کے مشابہ ہے باقی مسیلمہ کذاب[2] کا اپنے کو رحمن سے موسوم[3] کرنا یہ محض[4] اس کی شرارت تھی ورنہ لغتہً اس لفظ کا خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہونا اسے بھی معلوم تھا مگر جس طرح فرعون اپنے کو الٰہ کہتا تھا بہرحال ان دو ناموں کے اندر دوسرے ناموں سے ایک خاص وجہ ترجیح ہے لیکن اگر حق تعالیٰ کے دوسرے ناموں کی طرف عبد یا امۃ کو مضاف کرکے نام رکھا جائے تو وہ بھی نفس فضیلت میں انہی دونوں کے مثل[5] ہوں گے (گو کسی قدر تفاوت[6] سہی) پس اگر نام رکھنے میں اس کی رعایت کی جایا کرے تو اچھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ناموں کی طرف

۱۔ صفات ہیں ۲۔ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا ۳۔ اپنا رحمان نام رکھنا ۴۔ صرف ۵۔ انہی دونوں جیسے ۶۔ گرچہ کچھ فرق ہو

عبد یا امۃ کو مضاف کر کے نام رکھا جائے۔ مگر آجکل لوگ ان ناموں کو بہت کم اختیار کرتے ہیں دوسرے امور کی رعایت کو مقدم سمجھتے ہیں مثلاً قافیہ وغیرہ کی ایک صاحب کی عادت تھی کہ وہ اپنی اولاد کے نام اس وزن پر رکھتے تھے۔ بسم اللہ۔ الحمدللہ۔ قل ھواللہ وغیرہ ایک ظریف نے کہا کہ اب کے بچہ پیدا ہو تو اس کا نام ناقۃ اللہ[1] بیت اللہ رکھدینا وہ بڑے بگڑے کہ یہ بھی کوئی نام ہے کہنے لگے صاحب قرآن میں موجود ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی اور عورتوں کی تو عجیب عادت ہے ان کے یہاں قافیہ وغیرہ کے علاوہ ناموں میں ایک اور بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ نام زبان پر چلنے والا ہو رواں ہو۔ وہ ایک نام کو مکرر سکرر[2] چند مرتبہ کہہ کر دیکھتی ہیں کہ یہ نام رواں بھی ہے یا نہیں اگر ان کی زبان پر بے تکلف رواں ہو گیا تو اچھا ہے ورنہ برا۔ ہمارے وطن میں ایک بی بی ہیں ان کی لڑکیوں کے نام امۃ المنان کے قافیہ پر ہیں جب اس قافیہ کے بہت سے نام ہو گئے اور پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی تو مجھ سے کہا گیا کہ اس کا نام رکھو میں نے کہا کہ اس قافیہ پر صرف دو نام رہ گئے ہیں اور وہ دونوں عورتوں ہی کی صفت میں کہے گئے ہیں ایک وصف حضرت علیؓ نے بیان فرمایا ہے اور ایک حضرت فاطمہؓ نے۔ حضرت علیؓ نے عورتوں کو شیطان کہا ہے حضرت فاطمہؓ نے ریحان فرمایا ہے تو اب اس بچی کا نام ریحان رکھدو یا شیطان رکھدو۔ شیطان تو بھلا کون رکھتا اس کا نام ریحان ہی رکھا گیا اور واقعی لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے یہ نام بہت ہی موزوں ہے۔ مگر باوجود ان تمام خوبیوں کے ایک بڑی بی اس نام کو چند مرتبہ مکرر کہہ کر کیا فرماتی ہیں کہ یہ کیا نام رکھا ریران ریران میں نے کہا سبحان اللہ تم نے اس نام کی اچھی گت بنائی۔ اور یہ جو میں نے کہا تھا کہ یہ نام حضرت فاطمہؓ کے کلام میں ہے اس کا واقعہ یہ ہے

۱۔ اللہ کی اونٹنی ۲۔ دو تین دفعہ

کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ہنسی کے طور پر عورتوں کی مذمت[۱] میں ایک شعر حضرت فاطمہ کے سامنے پڑھا۔

ان النساء شیاطین خلقن لنا　　نعوذ باللہ من شرالشیاطین

(عورتیں شیاطین ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں ہم شیاطین کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)

تو حضرت فاطمہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

ان النساء ریاحین خلقن لکم　　وکلکم یشتہی شم الریاحین

(عورتیں پھول ہیں جو تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں ہر ایک تم سے پھوں سونگھنے کی خواہش رکھتا ہے)

عورتوں میں ناموں کے متعلق ایک اور بات دیکھی جاتی ہے کہ یہ نام کچا ہے یا پکا جیسے ترکاریاں[۲] بعضی کچی بعضی پکی ہوتی ہیں ایسے ہی عورتوں کے یہاں ناموں کی بھی دو قسمیں ہیں نہ معلوم ناموں کا کچا پکا ہونا انہیں کیسے معلوم ہوتا ہے یہ عورتوں کے خاص علوم ہیں جو مردوں کو بھی معلوم نہیں چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحمن کی نسبت کہا کرتی ہیں کہ یہ پکا پکا نام ہے جیسے بڈھوں کا نام ہوتا ہے تو پکا نام ان کے نزدیک وہ ہے جو بوڑھاپے کے مناسب ہو اور کچا نام وہ ہے جو بچپن کے مناسب ہو باقی اس کی پہچان کہ کونسا نام بچپن میں پھبتا ہے اور کونسا بڑھاپے میں یہ عورتوں ہی کو حاصل ہے صاحب مردوں کی فہم اس سے قاصر ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اچھا ہم نے مانا کہ عبداللہ نام پکا ہے تو عورتوں کو پھر بھی یہ نام اپنی اولاد کا ضرور رکھنا چاہیئے کیونکہ اس میں فال نیک ہے کہ بچہ بڈھا ہوگا۔ پس یہ تو اور وجہ اولویت[۳] ہو گئی نہ کہ وجہ انکار کیونکہ عورتیں تو ایسے فال شگون کی بہت

۱۔ ہجو (برائی) ۲۔ سبزیاں ۳۔ وجہ ترجیح

معتقد ہوتی ہیں تو وہ اس نام کو فال نیک ہی سمجھ کر اختیار کر لیا کریں۔

انسان کی حقیقت

خیر یہ گفتگو تو بیچ میں ناموں کے متعلق بطور جملہ معترضہ کے آگئی تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ عبادت کا مادہ عبد ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان عبدیت کے لیے پیدا ہوا ہے اور عبدیت خدا کو پسند ہے جس کی دلیل میں نے ابھی بیان کی ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی طاعت کس قسم کی ہے سو انسان کی اطاعت اور دوسری مخلوقات کی اطاعت میں بڑا فرق ہے۔

اس کو پہلے اپنے خادموں کے اندر دیکھ لو ہمارے یہاں دو قسم کے خادم ہوتے ہیں ایک تو نوکر ہوتا ہے اور ایک غلام نوکر کی خدمات اکثر متعین ہوا کرتی ہیں گو اس سے مختلف قسم کے کام لیے جائیں مگر پھر بھی باوجود عموم کے اس میں کچھ مستثنیات بھی ہوا کرتے ہیں مثلاً جو نوکر آپ کی ڈیوڑھی کا ملازم ہے آپ اس سے گھر کے کام جتنے چاہیں لے لیں مگر اس سے پاخانہ نہیں اٹھوا سکتے وہ اس کام سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ اس کی خدمتیں متعین ہیں جن میں یہ خدمت داخل نہیں اس کو اس سے انکار کا حق ہے اور غلام کی خدمتیں متعین نہیں ہوتیں اس سے ہر قسم کا ذلیل و خسیس[1] اور نفیس و شریف (جائز) کام لیا جا سکتا ہے اس کو کسی خدمت سے انکار کا حق نہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آقا کو کسی مجلس یا محفل میں جانا ہے مگر خود کسی وجہ سے نہیں جا سکتا تو سلاطین و امراء کے قصص[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایسے مواقع میں اپنے غلام[3] کو اپنا لباس پہنا کر بھیج

۱۔ گھٹیا ۲۔ مضمون ۳۔ یہاں سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض کرتے ہیں جو جس غلامی کے یہ آشنا ہوں کہ آقا اور غلام میں کامل اتحاد پیدا ہو جاوے اس کو خلاف عدل کون کہہ سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب دشمن کی فوج کے ہزاروں لاکھوں آدمی معرکہ قتال میں اسیر و قید ہو کر آئیں تو ان کے متعلق بہتر سلوک کی صورت کیا ہے۔ اگر ان کو فوراً رہا کر دیا جائے تو یہ صورت جس قدر

دیا اس وقت وہ غلام شاہی منصب کے فرائض انجام دیتا تھا کیونکہ اس وقت وہ بادشاہ کا نائب بنا ہوا ہے اور کبھی آقا بیمار ہے غلام اس کی تیمار داری کرتا اور بعض دفعہ اس کا پاخانہ تک اٹھاتا ہے غرض غلام کے لیے کوئی خاص خدمت متعین نہیں یہی انسان و دیگر انواع خلق کی ہے کہ تمام مخلوق کے متعلق خاص خاص عبادات ہیں مگر انسان کے لیے کوئی عبادت خاص نہیں (انسان سے مراد مجموعۂ انس و جن ہے یعنی مکلفین ۱۲منہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ضرر رساں ہے ظاہر ہے کہ جس دشمن کی کثیر تعداد کو مصیبت کے ساتھ گرفتار کیا تھا اس کو پھر اپنے مقابلہ کے لیے رہا کردیا اور اگر ان کو قید کیا جاوے تو اس میں جو قباحت ہے ظاہر ہے۔ قیدی کو قیدی رکھ کر خواہ کتنی ہی راحت دی جائے اس کے دل سے عداوت نہیں نکل سکتی۔ دوسرے قیدیوں پر جتنا روپیہ صرف ہوتا ہے اس کا اندازہ ہر سلطنت کرسکتی ہے تو دشمنوں کے اوپر کثیر رقم صرف کرنا جس سے نتیجہ کچھ بھی حاصل نہیں کیونکہ وہ دشمن کے دشمن ہی رہتے ہیں محض حماقت ہے پھر قید کے اندر اسیروں کو ہر قسم کی علمی اور تمدنی ترقی سے روکنا ظاہر ہے کہ قید میں رہ کر کوئی شخص علمی ترقی نہیں کرسکتا اس کی تمام قوائے فکریہ معطل (اس کی تمام سوچنے سمجھنے کی صلاحتیں بیکار پڑی رہتی ہیں) پڑی رہتی ہیں اس لیے اسیروں (قیدیوں) کو قید رکھنا بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر ضرر سے بچنے کے لیے سب کو تہ تیغ (قتل کیا جائے) کیا جاوے تو اس کا قبیح (برا ہونا) ہونا ہر شخص کو معلوم ہے ان سب باتوں پر نظر کرکے بتلایا جاوے کہ قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک کی صورت کیا ہے ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس کے متعلق جو طریقہ اسلام نے بتلایا ہے اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں بتلاسکتا اسلام کا حکم ہے کہ جتنے قیدی معرکۂ جنگ میں گرفتار ہوں اول تو ان سے اپنے قیدیوں کا مبادلہ کیا جاوے جو ذیق مخالف کے ہاتھوں میں گرفتار ہوچکے ہیں۔ اس کے بعد جو بچیں ان کو غنائم (مال غنیمت جن کو دیا جائے انہیں دیدیے جائیں) میں تقسیم کردیا جائے کہ وہ ان کو اپنا غلام بنا کر اپنے گھر میں رکھیں جو خود کھاویں وہی ان کو کھلاویں جو خود پہنیں وہی ان کو پہناویں طاقت سے زیادہ ان سے کوئی کام نہ لیں اور ان کے دین و دنیا کے درست کرنے کا خیال رکھیں۔ جب آقا غلام کو اپنے گھر میں اولاد کی طرح رکھے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی عداوت (دشمنی) اس کے دل سے نکل جائے گی اور وہ آقا کے گھر کو اپنا گھر سمجھے گا اس کی اولاد کو اپنے بھائی خیال کرے گا اس پر خزانہ سلطنت اسیروں کے بیشمار مصارف (بہت سے اخراجات سے) سے محفوظ رہتا ہے اور ایک ایک آدمی پر ایک ایک غلام تقسیم ہوجانے سے اس پر بھی کوئی بار نہیں پڑتا بلکہ وہ غلام کے کھانے کپڑے کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں خوشی سے قبول کرلیتا ہے مسلمان غلاموں کو علم و حرفت سے بھی محروم نہیں رکھ سکتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جاہل غلام سے

ملائکہ اور دوسری مخلوقات کی عبادات

مثلاً ملائکہ میں بعض کے لیے عبادت رکوع معین ہے وہ رکوع ہی میں رہتے ہیں، بعض کے لیے عبادت سجود متعین ہے وہ ہر وقت سجدہ میں رہتے ہیں اور وہ ایک حال پر رہنے سے تھکتے نہیں کیونکہ وہ نور سے بنے ہیں اور نور میں یہ خاصیت ہے کہ اس میں تعب[1] و نصب نہیں ہوتا حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یسبحون اللیل والنہار لا یفترون (رات دن پاکی بیان کرتے ہیں اس سے تھکتے نہیں) اسی طرح آسمان زمین وغیرہ کے لیے ایک ایک عبادت متعین ہے۔ چنانچہ ان کی ایک عبادت تو محسوس ہے وہ یہ کہ جس کام کے لیے جو چیز بنائی گئی ہے اس کام میں آتی رہے جیسے پہاڑ جس کام کے لیے بنائے گئے ہیں اس کام میں لگے ہوئے ہیں زمین اپنے کام میں لگی ہوئی ہے آسمان چاند سورج سب ایک ایک کام میں لگے ہوئے ہیں یہ ان کی عبادت ہے چنانچہ آیت: فقال لها وللارض ائتیا طوعاً او کرهاً قالتا اتینا طائعین۔ کی تفسیر میں یہی کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مہذب اور شائستہ غلام کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے مسلمانوں نے عموماً غلاموں کی تعلیم کا بہت زیادہ انتظام کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج علماء کی فہرست میں صدہا اور ہزار آزاد شدہ غلاموں کا نام نہایت عزت و احترام سے لکھا ہوا نظر آرہا ہے۔ پھر چونکہ آقا کو غلام کے ساتھ ایک تعلق مالکانہ ایسا دیا گیا ہے جو انسان کو اپنی اولاد کے ساتھ بھی حاصل نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں کے ساتھ آقاؤں کا اولاد سے زیادہ تعلق ہو گیا کہ جس طرح کسی شخص کے بیٹے کو گالی دینا اور مارنا باپ کی اہانت شمار ہوتا ہے اسی طرح کسی کے غلام کو ذلیل و حقیر کرنا آقا کو ذلیل کرنا سمجھا جانے لگا جو مسلمان احکام اسلام کے پابند تھے ان کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں کہ وہ غلاموں کو کس محبت اور شفقت کے ساتھ پالتے تھے اور ان کی تعلیم و تہذیب کا کس درجہ خیال کرتے تھے تو کیا اس غلامی کو خلاف عدل و انصاف کہنا انصاف کا خون کرنا نہیں ہے۔ رہا یہ کہ بعض لوگوں نے غلاموں کے ساتھ برے برتاؤ بھی کیے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ برتاؤ ایسا ہی تھا جیسا کہ بعض مسلمان نماز نہیں پڑھتے اور شراب پیتے ہیں اس کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں قانون اسلام اس کا کسی طرح ذمہ دار نہیں اسلام نے غلاموں کے متعلق جس قدر رعایتی احکام صادر کیے ہیں کوئی قوم اس کی نظیر نہیں دکھا سکتی کہ دشمن کی فوج کے قیدیوں کے ساتھ اس نے اتنے حقوق کی رعایت کی ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ جامع (مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ)

۱۔ تھکاوٹ

نے آسمان و زمین سے فرمایا کہ تم (جس کام کے لیے بنائے گئے ہو اس کے انجام دینے کے لیے) آؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے انہوں نے جواب دیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ غرض ان مخلوقات کا ان کاموں میں مستعمل ہوتے رہنا جن کے لیے یہ بنائے گئے ہیں ایک عبادت ہے یہ عبادت تو محسوس ہے اور ایک عبادت غیر محسوس ہے۔ جیسے حق تعالیٰ نے ہر مخلوق کو ایک تسبیح جداگانہ تعلیم کردی ہے۔ وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ (کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ پاکی نہ بیان کرتی ہو لیکن اس کی تسبیح تم نہیں سمجھتے) گو اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے تسبیح حالی مراد لی ہے کہ ہر چیز اپنی حالت سے حق تعالیٰ کی قدرت و نزاہت[۱] کو ظاہر کرتی ہے اور بعض نے تسبیح حقیقی مراد لی ہے کہ اہل کشف کا یہی قول ہے وہ جمادات کی تسبیح کو سنتے ہیں اس لیے وہ اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض ملائکہ کو یہ تسبیح تعلیم کی ہے سبحان الذی جمع بین الثلج والنار (پاک ہے اللہ جس نے برف و آگ کو جمع کردیا ہے) ان فرشتوں کا آدھا جسم برف کا ہے اور آدھا جسم آگ ہے نہ برف آگ کی گرمی کو کم کرتا ہے نہ آگ برف کو پگھلاتی ہے اس لیے ان کو یہ تسبیح تعلیم کی گئی ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے برف اور آگ کو جمع کردیا۔ ملائکہ کی ایک جماعت کو تسبیح تعلیم کی گئی ہے سبحان الذی زین الرجال باللحیٰ والنساء بالذوائب پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے زینت دی اور عورتوں کو زلفوں سے۔ اس پر شائد بعض لوگ خفا ہوں گے کہ یہ فرشتے تو روز ہماری برائی کرتے ہیں ہم کو مردوں میں بھی شمار نہیں کرتے ہیں۔ بھائی جب تم خود ہی اپنی مردانگی کی علامت کا صفایا

۱۔ پاکیزگی

کردو تو کوئی کیا کرے غرض اسی طرح تمام مخلوق کا ذکر متعین ہے ان کے سپرد ایک خاص عبادت ہے ور انسان کی عبادت و خدمت متعین نہیں ایک وقت میں نماز کا حکم ہے ایک وقت میں نماز سے ممانعت ہے ور پاخانہ جانے کا حکم ہے۔ جس وقت کسی کو پاخانہ پیشاب کا تقاضا ہو اس وقت اس کو نماز پڑھنا مکروہ ہے، پاخانہ جانا ضروری ہے اس وقت اس کا پاخانہ جانا بھی عبادت میں داخل ہے اس کو اس کام میں بھی نماز ہی کا ثواب ملے گا اور اگر اس وقت وہ نماز میں مشغول ہوا تو گناہ ہوگا غرض کبھی اس کی نماز قضاء حاجت کے حکم میں ہے اور کبھی قضاء حاجت نماز کے حکم میں ہے اسی طرح کبھی اس کو سونے کا حکم ہے کبھی جاگنے کا حکم ہے۔ حدیث میں ہے کہ تمام رات مت جاگو ان لنفسک علیک حقاً وان لعینک علیک حقاً وان لزوجک علیک حقا فادوا الی کل ذی حق حقه.

(تیرے نفس کا تجھ پر حق اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے پس ہر صاحب حق کے حق کو ادا کرو) تو دیکھیے ایک مخصوص حصہ شب میں سونا مامور[1] ہوا ور وہ مخصوص حصہ ہر شخص کے مزاج کے مناسب ہوگا جتنی دیر میں دماغ و جسم کا تعب[2] زائل ہوجایا کرے۔ نیز اگر کسی شخص کو ذکر کرتے کرتے یا تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے نیند کا غلبہ ہونے لگا تو اس کے لیے حدیث میں وارد ہے۔ لیرقد یعنی سو رہے۔ لعله یستغفر فیسب نفسه مبادا کہیں استغفار کرتے ہوئے اپنے آپ کو برا بھلا ہی کہنے لگے مثلاً اللھم اغفرلی (اے اللہ مجھ کو بخش دے) کی جگہ اللھم اعفرلی عین سے کہنے لگے تو اس کے معنیٰ برے ہیں جس میں اپنے اوپر بد دعا ہے کہ مجھے مٹی میں ملادے اور یہاں تک بھی غنیمت ہے بعض دفعہ نیند میں حق تعالیٰ کا نام غلط سلط نکلنے لگتا ہے اس لیے میں مشورہ دیتا ہوں کہ ذکر

۱۔ رات کے ایک مخصوص حصہ میں سونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ۲۔ تھکاوٹ دور ہوجایا کرے

میں جب نیند آنے لگے تو زبان سے ذکر فوراً بند کردو اس وقت قلب سے توجہ اور خیال رکھو۔

ذکر قلبی کا اثبات

اور کوئی شخص ذکر قلبی کو بے اصل سمجھ کر اس سے متوحش[1] نہ ہو یہ بھی احادیث سے ثابت ہے صحیحین کی متفق علیہ روایت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ (رسول اللہ ﷺ اپنے ہر وقت میں ذکر اللہ کرتے رہتے تھے) اب بتائیے کہ ذکر ہر وقت میں زبان سے کیونکر ہوسکتا ہے بعض مواقع میں ذکر لسانی نہیں ہوسکتا اب یا تو علی کل احیانہ[2] میں مجاز کے قائل ہو جیسے کہ اس کے معنی فی اکثر احیانہ[3] ہیں یا صوفیہ کے مذہب پر ذکر قلبی کے قائل ہو کر اس کو اپنے عموم پر رکھیئے اور یہی ظاہر ہے بلکہ صوفیہ کے نزدیک تو اصل ذکر قلبی ہی ہے یعنی اگر ذکر لسانی[4] ذکر قلبی سے خالی ہو تو وہ اس کو معتبر نہیں سمجھتے (مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر لسانی میں اگر حضور قلب نہ ہو تو ذکر نہ کرے چھوڑ بیٹھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض لسانی کو کافی سمجھ کر اس پر قناعت نہ کرے بلکہ ذکر قلبی کے لیے کوشش کرتا رہے اور وہ کوشش یہی ہے کہ لسانی پر دوام کرے اور اس کے ساتھ دل کو متوجہ کرنے کی بھی عادت ڈالے اسی طرح ذکر قلبی حاصل ہوجائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از صفت واز نام چہ زاید خیال　　　　واں خیالش ہست دلال وصال

(صفت اور اسم سے تصور اور خیال پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ تصور رہبر وصال بن جاتا ہے)

۱۔ پریشان ۲۔ اپنے ہر وقت میں ۳۔ وقت کے اکثر حصے میں ۴۔ زبان سے ذکر

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

مست ولایعقل نہ از جام ہو اے زہو قانع شدہ بر نام ہو

(تم جام محبت سے مست ولایعقل نہیں ہو تم صرف نام حق پر بجائے محبت کے قناعت کیے ہوئے ہو)

اس میں نام پر قناعت کرنے سے منع فرماتے ہیں ذکر اسمی سے مطلقاً منع نہیں فرماتے کیونکہ یہی تو زینہ ہے ذکر قلبی کا اور وصول الی الذات (ذات تک پہنچانے) کا ۲ اجامع) اور اس حدیث سے زیادہ صریح دوسری حدیث میں من ذکر فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و من ذکرنی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہ الحدیث. حق تعالی فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے میں بھی اس کو اپنی ذات سے یاد کرتا ہوں اور جو کوئی مجھ کو جماعت میں یاد کرے میں اس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں اس میں تو ذکر نفسی کو ذکر جماعت کے مقابلہ میں بیان فرمایا ہے جس میں ذکر قلبی کے سوا بظاہر اور کچھ مراد نہیں گو یہ احتمال ہے کہ مقابلہ جماعت میں ذکر ہونے سے ذکر خلوت مراد ہو باللسان مگر ایک اور حدیث حاشیہ حصن حصین میں نقل کی ہے یفضل الذکر الخفی الذی لا یسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفاً. (حد ص ۲۷)(ذکر خفی جس کو نگہبان فرشتے بھی نہ سنتے ہوں ذکر جلی سے ستر گنا فضیلت رکھتا ہے) اس سے ذکر خفی کا ذکر جلی سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قلت ولکنی لم اعرف سندہ لہ شاہد قوی من حدیث سعد بن ابی وقاص عنہ مرفوعاً قال خیر الذکر الخفی وخیر الرزق او العیش مایکفی رواہ ابو عوانہ وابن حبان فی صحیحیہما. کذا فی الترغیب ص: ۵۰۸ ح المشکوۃ) میں کہتا ہوں اس کی سند مجھے معلوم نہیں ہاں اس کے لیے شاہد قوی ہے حدیث سعد ابن ابی وقاص سے جو

مرفوعاً ان سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا ذکر خفی بہتر ہے رزق یا معیشت سے اس قدر بہتر ہے جو کافی ہو اس کو ابو عوانہ و ابن حبان نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے)

بہرحال یہ تو محض ان لوگوں کی تسلی کے لیے کہا گیا جو بدوں حدیث کے کسی بات کا ثبوت نہیں مانتے ورنہ اصل حکم تو یہ تھا کہ جب نیند آوے سو رہو اور اس وقت ذکر کو بند کر دو لیکن میں نے ان لوگوں کے لیے جو ذکر کا بند کرنا ایسے حال میں گوارا نہیں کرتے یہ بتلا دیا کہ وہ ذکر قلبی کیا کریں۔

ذکر میں نیند آنے کا علاج

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت ذکر میں نیند بہت آتی ہے اس کا کیا علاج آپ نے فرمایا اس کا علاج یہی ہے کہ بس تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو۔ واقعی مشائخ محققین کی عجیب شان ہوتی ہے مگر محققین سے میری مراد وہ علماء نہیں ہیں جن کے صرف عقائد صحیح ہوں ان کو تو اہل حق اور محقق کہنا چاہیے۔ تو جب مشائخ اہل حق بولا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دکاندار نہیں بدعتی نہیں ہیں پیری مریدی کو پیشہ نہیں بناتے پس اہل حق اور محقق تو دکانداروں اور بدعتوں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں مگر حق ہونے کے لیے صرف محق[1] ہونا کافی نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر محق محقق ہو اس کی تفصیل یوں سمجھیے کہ محق ہونا تو ایسا ہے جیسے تندرست ہونا اور محقق ہونا ایسا ہے جیسے طبیب ہونا تو ظاہر ہے کہ ہر تندرست طبیب نہیں ہوتا اور نہ طبیب بننے کے لیے صرف تندرست ہونا کافی ہے پس مشائخ محققین وہ ہیں جو عقائد صحیحہ کے ساتھ امراض نفس و معالجات نفس سے بھی ماہر ہوں چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ محق

۱۔ اہل حق میں سے ہونا

ہونے کے ساتھ محقق بھی تھے تو انہوں نے ذاکر میں نیند آنے کا اچھا علاج بتلایا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو پھر جب کچھ نیند سے بوجھ ہلکا ہو جاوے پھر کام شروع کردو واقعی اس کا بس یہی علاج ہے اگر کوئی غیر محقق ہوتا تو نہ معلوم کیا کیا بتلاتا چنانچہ بعض لوگ بتلایا کرتے ہیں کہ جب نیند کا غلبہ ہو سیاہ مرچیں چبایا کرو میں کہتا ہوں آخر کہاں تک۔ اگر پھر نیند آئی تو پھر مرچیں چبائے تو بھلا کتنے سیر مرچیں چبائے علاوہ اس میں اس نقصان کے کہ منہ سے بہت زیادہ پانی کا بہنا دماغ کے ضعف کا سبب ہوگا۔ نیز زیادہ مرچیں چبانے سے حرارت قلب کا اندیشہ ہے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جس کام کے لیے یہ شخص جاگنے کی تدبیریں کر رہا ہے اس مرچ کے مشغلہ میں وہ کام بھی نہ ہوگا کیونکہ تجربہ کرکے دیکھ لیا جاوے کہ غلبہ نیند میں اگر مرچ چباتے رہو اس وقت تو نیند کم ہو جاتی ہے مگر جہاں تھوڑی دیر اس کو موقوف کیا پھر نیند آنا شروع ہوئی تو یہ اچھا جان کو پاپ[1] لگا۔ اور اگر کہیں سیاہ مرچوں سے حرارت بڑھ گئی دماغ خشک ہو گیا تو وہی بات ہو جائے گی جیسا انبہٹہ کے ایک بھولے مولوی صاحب ہر وعظ میں مسلمانوں کی عملی کوتاہیاں بیان فرما کر کہا کرتے تھے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے ان کے نزدیک دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے زنا، چوری، جھوٹ، فریب، ترک صوم و صلوٰۃ یہ سب مرچوں کا فساد ہے خیر ان امور میں تو مرچوں کے فساد کو دخل ہو یا نہ لیکن اگر کسی ذاکر کا دماغ سیاہ مرچیں چبانے سے خراب ہو گیا تو وہاں ضرور یہی کہا جائے گا کہ یہ سب مرچوں کا فساد ہے۔ بعض لوگ نیند دور کرنے کے لیے لونگیں چبانا بتلاتے ہیں یہ تو سخت آگ ہے اس کی تو تھوڑی مقدار بھی جگر و قلب کو پھونک دے گی پھر بہت جلد اختلاج وغیرہ کا اندیشہ ہے جس کے بعد پھر ساری عمر وظیفہ کو تو خیر باد کہو ہی گے

۱۔ روگ

نماز روزہ بھی چھوٹ جائے گا۔ تو یہ اچھی حفاظت ہے وظیفہ کی کہ نماز روزہ کو بھی برباد کیا یہ سب طریقے واہیات ہیں، بس اس کا آسان علاج وہی ہے جو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو شیخ کو معرفت کے ساتھ کسی قدر طبیب بھی ہونا چاہیئے تاکہ ہر شخص کی قوت و ضعف کے لحاظ سے عمل تعلیم کرے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ ذاکر کو دودھ گھی کی تکثیر[۱] چاہیئے تاکہ ذکر جہر[۲] سے دماغ خشک نہ ہوجائے یہ کام تو ساری عمر کا ہے ایک دو روز کا کام تھوڑا ہی ہے کہ آج کیا اور کل چھوڑ دیا اس لیے دماغ کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ ذکر کے ساتھ تقلیل[۳] غذا کو ضروری سمجھتے ہیں یاد رکھو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے ہر شخص کا مزاج اس میں مختلف ہے تقلیل غذا سے کسی کو نفع ہوتا ہے اور کسی کو ضرر[۴] ہوتا ہے اور آج کل بوجہ ضعف قوی[۵] کے ضرر ہی زیادہ ہوتا ہے بس اس زمانہ میں تقلیل غذا کا مفید درجہ یہ ہے کہ قدرے بھوک رکھ کر کھانا کھایا جائے یعنی دستر خوان سے ایسے وقت میں اٹھو کہ دو چار لقمہ کی بھوک باقی ہو زیادہ تقلیل سے قوے دماغیہ وغیرہ پر برا اثر ہوتا ہے تو بھائی تم کو ذکر کرنا ہے یا نفس کو ہلاک کرنا۔ بزرگوں نے جو نفس کشی بتلائی ہے اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ اس کو بھوکا مار ڈالو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تواضع کی ضرب سے ہلاک کرو اس میں ذلت پیدا کرو۔ تکبر کو توڑو اور یہ بات پیدا ہوتی ہے کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے تقلیل غذا سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو اور تکبر بڑھتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے کو صاحب مجاہدہ سمجھنے لگتا ہے اور جو لوگ پیٹ بھر کے کھانا کھاتے ہیں ان کو حقیر اور اپنے سے کم سمجھتا ہے وہی حال ہوجاتا ہے۔ ع

۱- زیادتی ۲- با آواز ذکر کرنے ۳- غذا میں کمی کرنے کو ۴- نقصان ۵- اعضاء کے کمزور ہونے کی وجہ سے

چوں گرسنہ میوش سگ شو (جب فاقہ سے ہوتا ہے تو کتے کی طرح ہوتا ہے)

احکام کی بجا آوری کا نام عبادت ہے

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسان کی کوئی خدمت متعین نہیں بلکہ ہر وقت میں اس کے لیے جدا خدمت ہے جیسے غلام ہوتے ہیں ایک وقت اس کو سونے کا حکم ہے اس وقت سونا اس کی عبادت ہے ایک وقت جاگنے کا حکم ہے اس وقت جاگنا اس کی عبات ہے، ایک وقت پیشاب پاخانہ کا حکم ہے اس وقت یہی اس کی عبادت ہے پس اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہے "محض امتثال امر" کہ جس وقت جو حکم ہوا اس کو بجالائے اور اس سے ہم کو سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی ہمارے حال پر کس قدر شفقت و عنایت ہے کہ اول تو ہم سے غلاموں کا سا برتاؤ فرمایا نوکروں جیسا برتاؤ نہیں کیا ور یہ کتنا بڑا فخر ہے کہ حق تعالیٰ ہم کو اپنا غلام بنائیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی　　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشت

(احسان مت جتاؤ کہ میں بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں بلکہ اسکا احسان سمجھو کہ تم جیسے کو اپنی خدمت میں رکھ چھوڑا ہے)۔

پھر اس برتاؤ میں ہمارا نفع کس قدر ہے کہ ہم کو سونے ور جاگنے اور قضائے حاجت[1] کرنے ور بیوی کے پاس جانے میں بھی ثواب ملتا ہے، قدم قدم پر ثواب ہی ثواب ہے کیونکہ معاشرت کو بھی دین ہی میں داخل فرمایا ہے گو بعض لوگ اس کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔

مگر بالکل غلط ہے حق تعالیٰ نے قرآن میں آداب مجلس اور احکام استیذان[2] کو امر و نہی کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور کسی شے کا مامور بہ ومنہی عنہ[3]

۱۔ پیشاب پاخانہ کرنے میں ۲۔ کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کے احکام بیان کیے ہیں ۳۔ کسی کام کا حکم دیا جانا یا اس سے روکنا بھی دین سے

ہونا یہی دین ہونے کی علامت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یاایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا۔ اے مسلمانو! جب تم سے یہ کہا جاوے کہ کھل کر بیٹھ جاؤ تو کھل جایا کرو حق تعالیٰ بھی تمہارے لیے (جنت وغیرہ میں) وسعت کر دیں گے اور جب یہ کہا جاوے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔ تو دیکھیے اس آیت میں آداب مجلس کی تعلیم دی گئی ہے اور ہر چند کہ جو تعلیم اس میں دی گئی ہے وہ امر فطری[1] ہے کہ ضرورت کے وقت کھل کر یا کھڑے ہو کر پھر سمٹ کر بیٹھنا طبیعت انسانی کا خود تقاضا ہے مگر حق تعالیٰ نے اس کا امر اس لیے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے متکبر اینٹھ مروڑ والے ہوتے ہیں کہ ان سے کسی کے واسطے ہیئت[2] بدلنا دشوار ہوتا ہے میرا خود واقعہ ہے کہ میں نے ایک صاحب سے صف بندی کے وقت کہا کہ بھائی داہنی طرف آجاؤ وہ نہ آئے میں نے دوسرے شخص سے کہا بھائی ان کو تو شان گھٹتی ہے تم ہی آجاؤ وہ نہ آئے میں نے دوسرے شخص سے کہا بھائی ان کی تو شان گھٹتی ہے تم ہی آجاؤ تو ان کو اس قدر ناگوار ہوا کہ صف سے نکل مسجد سے بھی بھاگ گئے۔ واقعی ایسے بد دماغوں میں غرور و تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے چنانچہ اسی واسطے یہ لوگ جماعت میں بھی کم شریک ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسجد میں جلا ہے دھنیے[3] ہر قسم کے آدمی ہوتے ہیں اور وہ ہمارے دوش بدوش[4] کھڑے ہوتے ہیں تو ہم کیسے آویں ارے ظالمو خدا کے دربار میں بھی آکر تمہارا تکبر ڈھیلا نہیں ہوتا تم وہاں بھی اپنی شان کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو اچھا پھر یہی ہے تو پھر تم جلاہوں دھنوں کی جنت میں بھی نہ جانا کیونکہ جنت میں یہ لوگ بھی ہوں گے بلکہ تم سے زیادہ ہوں گے کیونکہ جنت کے اعمال و خصال[5] غرباء میں زیادہ

۱۔ طبعی فعل ہے ۲۔ اپنی حالت بدلنا ۳۔ ۔ ۔ دھنئے والے ۴۔ ساتھ ساتھ ۵۔ خصلتیں

ہوتے ہیں اور غالباً درجات میں بھی تم سے عالی[1] ہوں تو وہاں تم کو یہ کیسے گوارا ہوگا کہ جنت میں جلاہوں کے ساتھ رہو اور ساتھ رہنا بھی ان سے کم درجہ ہو کر چاہیئے تو یہ کہ جب تم کو فرشتے جنت میں لے جانے لگیں تو صاف کہدینا کہ ہم جلاہوں کے ساتھ نہیں رہتے ہم تو فرعون وشداد و نمرود کے ساتھ رہیں گے جیسے سودا کا اور اس کی بیوی کا قصہ ہے۔ سودا تو ایک رند مشرب شاعر تھا مگر اس کی بیوی نیک نماز روزہ کی پابند تھی ایک دن سودا کو مسخرہ پن سوجھا تو آپ بیوی سے کہنے لگے تو جو نماز پڑھتی ہے اس سے کیا نفع آخر اتنے دن تجھے نماز پڑھتے ہوئے ہوگئے تجھے کیا ملا اس نے کہا ہمیں آخرت میں جنت ملے گی ہم نماز کی بدولت جنت میں جائیں گے۔ تو سودا کیا کہتا ہے جا باولی! تو وہاں بھی ان جلاہوں اور ملانوں اور کنجڑوں ہی کے ساتھ رہے گی۔ (کیونکہ جنت میں غربا ہی زیادہ ہوں گے) اور دیکھو ہم قیامت کے دن جہنم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے بادشاہ ہوں گے فرعون، نمرود، شداد، قارون ہامان وغیرہ۔ بڑا ہی مسخرہ تھا اس کو یہاں بھی تمسخر سوجھا۔

مگر جہاں بعض امراء ایسے اینٹھو مرڑور کے ہوتے ہیں وہاں بعض بے چارے متواضع اور مسکین طبع بھی ہوتے ہیں۔ ایک دیندار نواب صاحب والی ملک کی حکایت ہے کہ ایک غریب آدمی نماز میں ان کی دوش بدوش[2] کھڑا ہوگیا تھا وہ غریب ان سے بالکل مل کر نہیں کھڑا ہوا جیسا کہ نماز میں حکم ہے صرف اسی خوف سے کبھی یہ برا مانیں وہ بچ بچ کر کھڑا ہوتا تھا اور سلام کی ساتھ ہی فوراً بھاگا۔ نواب صاحب نے اس کو طلب کیا وہ بہت ڈرا کہ کہیں کپڑا وغیرہ لگ گیا ہے اس کی باز پرس[3] ہوگی مگر لوگوں نے سمجھادیا کہ تو ڈرنا مت اور دین کے خلاف بات مت کہنا۔ جب حاضر ہوا تو نواب صاحب نے پوچھا تم ہم سے بچ بچ کر کھڑے ہوتے

۱- بلند ۲- شانہ بشانہ ۳- پوچھ گچھ

تھے کیا ہم سے ڈرتے تھے اس نے کہا تم سے کیا ڈرتا خدا کے دربار میں سب برابر ہیں۔ میں اس لیے بچتا تھا کہ کہیں مجھ میں دنیا کا اثر نہ ہو جاوے بڑے خوش ہوئے اور درباریوں سے کہا دیکھو اللہ کے بندے کیسے کیسے ہیں اور اس کی کچھ ماہواری تنخواہ مقرر کردی اور بہت معتقد ہوئے۔ سو ایسے امراء بھی ہیں (اس موقع پر پہنچ کر سامعین وعظ سے جناب شیخ رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ مسجد کے پچھلے حصہ میں دھوپ آ گئی وہاں جو لوگ بیٹھے ہیں ان کو تکلیف ہے ذرا اگلے حصہ والے کچھ اور آگے بڑھ کر بیٹھ جاویں چنانچہ سب نے اس پر عمل کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ دیکھیے اسی وقت ضرورت ہوگئی تفسح فی المجلس مجلس میں کھل کر بیٹھنے کی اور بحمد اللہ سب نے تعمیل کی جو کہ علامت ہے تواضع واخلاص کی اگر اینٹھ و مروڑ والے ہوتے تو اتنی جلدی تعمیل نہ ہوتی۔ غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ معاشرت کے آداب بھی داخل دین ہیں چنانچہ قرآن میں تفسح فی المجلس (مجلس میں مل کر بیٹھنے) کا امر ہے۔ ایک حدیث میں تفریق بین الاثنین (دو کے درمیان تفریق) کی ممانعت ہے یہ بھی آداب مجلس میں سے ہے کیونکہ بعض لوگ باہم دوست ہوتے ہیں وہ مل کر بیٹھنا چاہتے ہیں ان کو درمیان میں اجنبی کے آنے سے سخت ایذا[1] ہوتی ہے اسی طرح اس کی بھی ممانعت ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھ جاوے کہ یہ سخت تکبر اور ظلم ہے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانے کا کسی کو کچھ حق نہیں (بشرطیکہ وہ مجلس عام ہو جیسے مسجد یا مجلس وعظ وغیرہ خاص مجلس نہ ہو۔ ۱۲ جامع) اور کہاں تک گناؤں شریعت نے آداب معاشرت بہت بتلائے ہیں ان کا مختصر پتہ بتلانے کے لیے میں ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ آج کل بعض قرآنوں کے ساتھ فہرست مضامین قرآنیہ بھی طبع ہوئی ہے پہلے فہرست قرآن نہیں بنائی

۱۔ تکلیف

گئی تھی مگر آج کل جہاں اور نئے نئے کام ہو رہے ہیں وہاں یہ بھی ایک نیا کام ہوا ہے تو آپ قرآن کی فہرست لے کر دیکھیے اس میں آپ کو آداب اللباس، آداب الکلام، آداب السلام، آداب المجلس وغیرہ ملیں گے اس سے پتہ چلے گا کہ حق تعالیٰ نے معاشرت کے باب میں بھی ضروری چیز سے تعرض کیا ہے اس کے بعد حدیث کی کوئی کتاب مثلاً مشکوۃ لے لیجیے اور اس کی فہرست دیکھیے اس میں بھی آپ کو آداب اللباس، آداب الطعام،[1] آداب السلام، آداب المجلس، ذم الکبر[2]، ذم التہاجر[3]، ذم التجاسد[4] التباغض[5] باب ماعلی الحکام[6] من التیسیر، باب الطاعۃ الامراء[7] والحکام وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے احکام متعلق معاشرت و سیاست و سلطنت کے ملیں گے اور وہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال سے ماخوذ[8] ہیں اور عبادت نام ہے امتثال[9] احکام کا اور احکام ہر قسم کے ہیں تو انسان کی کوئی حالت عبادت سے خالی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر حال کے متعلق شریعت کا ایک حکم ہے اور اس کا بجا لانا عبادت ہے اور یہیں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اسلام میں ہمارے تمام مقاصد داخل ہیں ہمارا کوئی مقصود اسلام سے باہر نہیں کیونکہ اسلام کے معنی اطاعت ہی کے ہیں جو احکام کے متعلق ہوتی ہے اور احکام سے ہماری کوئی حالت باہر نہیں تو اسلام سے ہمارا کوئی مقصود خارج نہیں ہو سکتا اس سے آپ کو اسلام کی عظمت معلوم ہو گئی ہو گی۔

اسلام میں درجہ کمال مطلوب ہے

اب سمجھیے کہ اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے متعلق

۱۔ کھانے کے آداب ۲۔ تکبر کی برائی ۳۔ ایک دوسرے سے ترک تعلق کی برائی ۴۔ باہم حسد کی برائی ۵۔ ایک دوسرے سے بغض رکھنے کی برائی ۶۔ اس بات کا باب ہے کہ حکام کو رعایا کے معاملات میں آسانی پیدا کرنی چاہیے ۷۔ اس بات کا باب ہے کہ کن باتوں میں حکام اور امراء کا اتباع ضروری ہے ۸۔ آپ ﷺ کے قول اور عمل سے نکالے گئے ہیں ۹۔ احکام کی بجا آوری

ایک ضروری بات بیان فرمائی ہے ضروری ہونا تو اسی سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس بات کا تعلق تو قف اسلام سے ہے کیونکہ اسلام کی ضرورت معلوم ہے اور ضروری کے ایسے متعلقات بھی ضروری ہوا کرتے ہیں کیونکہ وہ تعلق ایک خاص حیثیت کا ہے جو ترجمہ سے معلوم ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قریب ہے لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ لوگوں میں اسلام کا نام ہی رہ جائے گا اور قرآن سے کچھ نہ رہے گا مگر رسم یعنی نقش حدیث طویل ہے مگر آگے اجزاء کا بیان اس وقت مقصود نہیں گو ممکن ہے کہ ضمناً وہ بھی بیان میں آجاویں مگر مقصود اس وقت یہی جملے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے چند درجے ہیں لا یبقی من الاسلام الا اسمہ (نہیں باقی رہے گا اسلام بجز اس کے نام کے اس میں لفظ من الاسلام (اسلام سے) بتلا رہا ہے کہ یہ بھی اسلام کی ایک فرد[1] ہے گو فرد ادنیٰ ہی سہی تو ایک درجہ تو یہ ہوا جس کو حضور ﷺ نے درجہ اسم فرمایا ہے یعنی نام کا اسلام پھر اس جملہ میں نفی و استثناء ہے جو حصر کو مفید ہے اور حصر میں ماعدا[2] کی نفی ہوا کرتی ہے معلوم ہوا کہ اسلام میں ہیں اور بھی چیزیں جن کی یہاں نفی کر کے صرف درجہ اسم کو باقی رکھا گیا ہے اور ویسے بھی محاورہ میں نام کا درجہ حقیقت کے مقابلہ میں بولا جایا کرتا ہے تو ایک درجہ اور نکلا جس کو کام کا اسلام یا حقیقی اسلام کہنا چاہیے اب آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ اس حدیث کے مضمون کو اسلام سے کس قسم کا تعلق ہے اس میں اسلام کے درجے بتلائے گئے ہیں جن میں بعض ناقص ہیں بعض کامل جب اس حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی ضرورت میں کیا کلام رہا۔ پھر جب اسلام مطلوب ہے جیسا کہ بیان بھی ہو چکا اور مسلمان کے لیے اسلام کا مطلوب ہونا بدیہی[3] بات ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مطلوب ہوا کرتی ہے اس کا درجہ کمال

۱۔ قسم ۲۔ اس کے علاوہ کی نفی ہوتی ہے ۳۔ کھلی بات

ہی مطلوب ہو کرتا ہے درجہ نقصان کسی کو مطلوب نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی راضی ہوتا ہے مثلاً تعلیم اولاد کا درجہ ایک کامل ہوتا ہے ایک ناقص مثلاً انٹرنس کا درجہ کامل ہے تو اس سے کم کے اوپر کوئی راضی نہیں ہوتا اور اگر کوئی زیادہ دل دار ہے اس کی نظر میں درجہ کمال بی۔اے یا ایف۔اے وہ اس سے کم کے اوپر راضی نہیں ہوتا۔ پھر خود بی۔اے اور ایف۔اے میں بھی دو درجے ہیں ایک ناقص ایک کامل۔ ناقص یہ کہ پڑھنے لکھنے کے بعد استعداد درست نہ ہو کسی فن سے مناسبت نہ ہو تو اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ صاحب تعلیم برائے نام ہوئی روپیہ ہی برباد گیا ایسی تعلیم باوجودیکہ عدم[۱] تعلیم کے مقابلہ میں کچھ درجہ ضرور رکھتی ہے مگر عموماً اس کو ناکافی اور برائے نام سمجھا جاتا ہے اور کوئی شخص اپنی اولاد کے لیے ایسی ناقص تعلیم کو پسند نہیں کرتا اسی طرح ہر چیز کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مطلوب میں ہمیشہ درجہ کمال مقصود ہوتا ہے درجہ نقصان کوئی گوارا نہیں کرتا جب یہ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو اب سمجھو کہ اسلام کے بھی مختلف درجات ہیں جن میں بعض کامل اور بعض ناقص ہیں اور اسلام مطلوب ہے تو اسلام میں بھی درجہ کمال ہی مطلوب ہونا چاہیے مگر افسوس کہ اسلام میں ہم لوگ ناقص حالت پر قناعت کیے ہوئے ہیں اس کے کمال کی فکر نہیں کرتے۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ اسی کی شکایت فرماتے ہیں۔

خبر سے مقصود انشاء ہوتا ہے

یہ حدیث گو بظاہر بصورت خبر ہے مگر درحقیقت اس سے مقصود شکایت ہے۔ حضور ﷺ دراصل ہماری شکایت فرمارہے ہیں کہ تمہاری دین سے لاپروائی رفتہ رفتہ اس درجہ بڑھ جائے گی کہ ایک وقت میں تمہارا اسلام نام کا رہ جائے گا۔

۱۔ تعلیم نہ ہونے کے مقابلے میں

ایک بار میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی پھر بعد تامل وہ بہت مفید اور صحیح معلوم ہوئی وہ یہ کہ جملہ خبریہ خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ انشاء ہوتا ہے اگر جملہ خبریہ بولا جاوے تو اس میں ساتھ ہی ایک جملہ انشائیہ مقصود ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ جس کا آپ کو انتظار تھا وہ آگیا تو یہ خبر خود مقصود نہیں ہو سکتی بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم مطلع ہو جاؤ تاکہ انتظار کی کلفت[۱] رفع ہو) یا یہ کہ[۲] اس کی مہمانی کرو خاطر و مدارات کا سامان کرو۔ یا کسی نے خبر دی کہ آج کل حاکم وقت بدل گیا ہے۔ یہ جملہ بھی خود مقصود نہیں ہو سکتا بلکہ مقصود یہ ہوگا کہ اب اس کے مذاق کی رعایت کرنا ضروری ہے پہلے حاکم کا مذاق معلوم کر لینا اب کافی نہ ہوگا غرض اسی طرح غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ تمام جمل خبریہ میں کوئی نہ کوئی جملہ انشائیہ ضرور لگا ہوا ہوتا ہے جو کہ فی نفسہ مقصود ہوتا ہے مگر یہ ان لوگوں کے کلام میں ہوگا جو فضول کلام کے عادی نہ ہوں ہمیشہ سوچ کر بات کرتے ہوں یعنی عقلاء کے کلام میں تو یہی قاعدہ ہے کہ جملہ خبریہ خود مقصود نہیں ہوتا ہے مگر آج کل مقصود بدل گیا ہے اس زمانہ میں خود اخبار ہی کو لوگوں نے مقصود بنا لیا ہے جیسے کسی اخبار میں ایک خبر دیکھ کر بیان کر دی کہ مرزا پور میں طاعون پھیل رہا ہے۔ اب ان حضرات سے اگر کوئی سوال کرے کہ اس خبر سے آپ کا مقصود کیا ہے تو وہ خاموش ہیں ان کی خاموشی سے اس کلام کا فضول اور لغو ہونا ثابت ہو جائے گا اگر یہ کلام مفید ہوتا اور متکلم نے سوچ کر اسے زبان سے نکالا ہوتا تو وہ ضرور کسی مقصود کا نام لیتا جو صورت انشاء میں ہوتا مثلاً یہی کہتا کہ وہاں مسلمان آباد ہیں دعا کرو یا اپنی حفظ صحت کا انتظام کرو یا وہاں جانے کا قصد[۲] نہ کرو وغیرہ وغیرہ اگر وہ ان جمل انشائیہ میں سے ایک بھی بیان کر دے تو اس کا جملہ خبریہ لغو نہ رہے گا مفید

۱۔ انتظار کی پریشانی دور ہو ۲۔ ارادہ

ہوجائے گا۔

علماء سے سوال کرنے کا ادب

اس سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ آج کل اکثر لوگ فضول و عبث و لغو ولایعنی امور میں مشغول ہیں بعض لوگ کارڈ لکھتے ہیں تو ان سے یہ نہیں ہوسکتا کہ مقصود کی ایک دو بات لکھ کر کارڈ کو ختم کردیں نہیں اس کو کھیاں سی مار کر بھرنا فرض و لازم سمجھتے ہیں اب وہ پر کیونکر ہوگا انہی فضول خبروں قصوں پہلے کارڈ ایک پیسہ کا تھا تو یہ لوگ چار پیسے وصول کرتے تھے اور اب تو آٹھ پیسے وصول کرتے ہیں واقعی بالکل مکھیاں سی مارتے ہیں جس کا پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے وطن میں ایک صاحب ہیں وہ اپنے عزیز کو بڑے لمبے لمبے خطوط لکھتے تھے جس میں فضول سوالات ہوا کرتے تھے مثلاً یہ کہ آجکل غلہ کا بھاؤ کیا ہے آپ کے پڑوس میں کون کون لوگ رہتے ہیں ان کے یہاں خیریت ہے یا نہیں اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہوتی تھیں مکتوب الیہ سب باتوں کا جواب کہاں تک دے آخر اس نے ان فضولیات کا جواب دینا چھوڑ دیا تو وہاں سے تقاضا ہوتا کہ تم میری سب باتوں کا جواب نہیں دیتے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارے خطوط میں فضول و لایعنی[1] سوالات ہوتے ہیں میں سب کا جواب کہاں تک دوں مگر کاتب کو اپنی غلطی کا احساس نہ ہوا تو مکتوب الیہ نے بھی یہی عمل شروع کیا کہ اب ان سے اسی قسم کے فضول سوالات کرنا شروع کیے۔ حتیٰ کہ ایک خط میں سو سے زیادہ سوالات تھے تو وہ حضرت بڑے جھلائے اور لکھا کہ تم بہت فضول باتیں لکھتے ہو اس سے بڑی کلفت ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت مجھے بھی آپ کے بیہودہ سوالات سے ایسی ہی کلفت[2] ہوتی تھی اب آپ کو اندازہ ہوا۔ غرض اس ترکیب سے پیچھا

۱۔ بیکار ۲۔ پریشانی

چھوٹا۔ میرے پاس جب ایسے خطوط آتے ہیں جن میں فضول خبریں یا فضول سوالات ہوں تو میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

ماقصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم نے دارا سکندر کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے مہر و وفا سے علاوہ اور قصے مت پوچھو)

ہم سے اگر دین کی بات پوچھو تو ہم ضرور بتلاویں گے۔ محنت سے ہم نہیں گھبراتے بشرطیکہ وہ بات اس قابل ہو کہ اس میں محنت کرنے سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہو ہم سے دین کا مسئلہ پوچھو اگر یاد ہوگا توفوراً جواب دیں گے اگر یاد نہ ہوگا کتاب دیکھ کر جواب معلوم کرنے کی کوشش کریں گے چاہے اس میں ہم کو ہفتہ دو ہفتہ تک کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑے اگر پھر بھی ہم کو شرح صدر[۱] نہ ہوگا تو اپنے سے زیادہ جاننے والے کا پتہ بتلاویں گے۔ ابھی آج کل کا قصہ ہے کہ ایک شخص میرے پاس سلسلہ میں داخل ہونے کے لیے آیا چونکہ اس کی برادری میں عورتوں کو میراث نہ دینے کا رواج تھا اس لیے پہلے حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی اسے تعلیم کی گئی کہ پہلے اس گناہ سے نجات حاصل کرو پھر سلسلہ میں داخل ہونے کا قصد[۲] کرنا وہ بیچارہ طالب تھا اس لیے خوشی سے اس پر تیار ہو گیا اور اس نے سب کے حقوق ادا کرنے کا تہیہ کرلیا چونکہ کئی پشتوں سے عورتوں کو میراث نہیں دی گئی تھی اس لیے جہاں تک پتہ چل سکا وہاں تک ورثہ کے نام لکھے گئے معلوم ہوا کہ پردادا کے بھی اوپر سے عورتیں محروم ہیں تو کئی بطن کا لمبا مناسخہ[۳] ہوا ورثہ کی تحقیق اور فرائض نکالنے

۱۔ دل اس پر نہیں کھلے گا ۲۔ ارادہ کرنا ۳۔ کیونکہ ورثاء بہت سے مر چکے تھے اس لیے ان کی میراث آنے کے بعد ان کی طرف منتقل ہوتی گئی جس کے لیے کئی صفحات لکھنے پڑے تب جا کر ان کے حصے نکلے

میں دو ہفتے لگ گئے مگر ہم اس سے نہیں گھبرائے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر میں نے مناسخہ نکالا اور سب کے سہام[1] الگ الگ بتلائے اس اللہ کے بندے نے سب ورثہ محرومین[2] کو ان کا حق ادا کیا ان لوگوں نے لینے سے انکار بھی کیا کیونکہ بعض کے بہت ہی معمولی حصے تھے کسی کے دو روپیہ کسی کے چار روپیہ مگر اس نے معافی کو منظور نہیں کیا بلکہ سب کا پیسہ پیسہ ادا کردیا۔ غرض ضروری باتوں میں محنت سے ہم نہیں گھبراتے ہاں فضول امر میں ہم سے ایک سطر بھی نہیں لکھی جاتی۔ اس کا احساس وہ شخص کرتا ہے جس کو وقت کی قدر ہو مگر آج کل لوگ وقت کی قدر ہی نہیں جانتے حالانکہ زندگی کی ہر ہر گھڑی ہر سکنڈ اور منٹ اتنا قیمتی کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت نہیں ہوسکتی مرتے وقت اس کی قدر معلوم ہوگی کہ ہائے ہم سے کتنا بڑا خزانہ فضول برباد ہوگیا اس وقت آپ تمنا کریں گے کہ کاش مجھ کو ایک دو منٹ کی اور مہلت مل جائے تو میں توبہ واستغفار کرکے گناہوں سے پاک ہوجاؤں حقوق العباد کے متعلق ورثہ کو وصیت کردوں مگر اس وقت مہلت کہاں اذاجاء اجلهم لایستاخرون ساعۃ ولایستقدمون۔ وقت آنے کے بعد نہ ایک منٹ ادھر ہوسکے گا نہ ادھر۔ اور ارشاد ہوگا اولم نعمرکم ما یتذکر فیه من تذکر وجاءکم النذیر۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر دراز اور طویل مہلت نہ دی تھی جس میں اگر تم چاہتے تو نصیحت حاصل کرسکتے تھے خصوصاً جبکہ تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آچکے تھے (بعض نے نذیر کی تفسیر شیب (بڑھاپے) سے کی ہے ۱۲)۔

غرض وقت بہت قابل قدر چیز ہے لیکن لوگ اس کی قدر نہیں کرتے فضول باتوں میں ضائع کرتے ہیں۔ بعض طالبین کی عادت ہے کہ وہ محض حالات سے خط کو بھر دیتے ہیں اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ مقصود کیا ہے اگر یہ مقصود

۱۔ حصے ۲۔ وہ ورثاء جن کو اب تک ان کا حق نہیں ملا تھا

ہے کہ ہمارے اوپر ایسے ایسے حالات وارد ہوتے ہیں تو اس اطلاع سے کیا مقصود ہے اگر یہ مقصود ہے کہ یہ حالات قابل التفات ہیں یا نہیں اور محمود ہیں یا مذموم تو اس کی تصریح ہونی چاہیئے ورنہ محض اطلاع ایک فضول امر ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ آج کل اکثر لوگ اخبار فضول میں مشغول ہیں اور حدیث میں ہے حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ یعنی اسلام کی خوبی یہ ہے کہ مسلمان لایعنی امور کو ترک کردے تو یہ سب امور قابل ترک ہیں (یہ مضمون غایت تفصیل کے ساتھ وعظ ترک مالایعنی میں بیان ہوچکا ہے۔ قابل مطالعہ ہے۔

خواب کی حقیقت

بعض لوگ خطوط میں خواب بہت لکھتے ہیں مجھے اس سے بھی الجھن ہوتی ہے کوئی بہت ہی عجیب و غریب خواب ہو تو اس کی اطلاع کا مضائقہ نہیں مگر یہ تو نہ ہونا چاہیئے کہ ہر خط میں خواب ہی لکھے ہوئے آیا کریں۔ اگر دس خطوط میں امراض نفس کا معالجہ دریافت کیا جائے اپنے عیوب کی اصلاح کا طریق دریافت کیا جائے تو اس کے بعد ایک خط میں خواب لکھدینے کا بھی مضائقہ نہیں مگر اب تو حالت یہ ہے کہ دس خطوں میں تو خواب کی کیفیات ہوتی ہیں اور ایک خط میں بیداری کی۔ یہ تو یقیناً لایعنی[1] میں داخل ہے پھر طرہ[2] یہ کہ خواب لکھ کر اس کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں اور مجھے اول تو تعبیر سے بہت کم مناسبت ہے دوسرے اس کو طریق[3] سے کچھ تعلق نہیں نہ شان اصلاح کے لیے معبر ہونا ضروری۔ بلکہ تعبیر کے فن کو تو اسلام کی بھی ضرورت نہیں زمانہ جاہلیت میں بعض کفار ایسے معبر ہوئے ہیں کہ علماء اسلام میں بھی ایسے معبر نہ ہوئے ہوں گے تو جو فن مسلم و کافر دونوں میں مشترک ہو اس کو طریق یا بزرگی سے کیا تعلق اس لیے میں کہا کرتا

۱۔ بیکار ۲۔ مزید ستم یہ ہے ۳۔ اصلاح کرانے کے طریقہ سے کوئی تعلق نہیں

ہوں کہ جس خط میں خواب لکھا جائے اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اگر تعبیر ضروری ہو تو لکھی جائے ورنہ کچھ ضرورت نہیں اس سے مکتوب الیہ پر بار نہیں ہوتا اسی لیے میں خوابوں کا جواب کم دیتا ہوں اکثر تو یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم — چو غلام آفتابم ہمسرز آفتاب گویم

(نہ میں شب ہوں نہ شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا بندہ ہوں ان ہی کی باتیں بیان کرتا ہوں)

خواب کا درجہ شریعت میں صرف اتنا ہے کہ حضور ﷺ نے اچھے خواب کو مبشرات میں سے فرمایا ہے کہ یہ دل خوش کن چیز ہے اور برے خواب کو تحزین من الشیطان (شیطان کی طرف سے حزن و ملال میں ڈالنا) کہا گیا ہے یعنی شیطان برے خواب دکھلا کر مسلمان کو پریشان کرنا چاہتا ہے تو اس سے پریشان و مغلوب نہ ہونا چاہیے ورنہ شیطان اور تنگ کرے گا خواب سے نہ کوئی جنت میں جائے گا نہ دوزخ میں کیونکہ اس کا مدار اعمال اختیاریہ پر ہے اور خواب اختیاری نہیں اگر کوئی آدمی ساری عمر برے خواب دیکھتا رہے تو اس کا کیا قصور ہے اور جو ساری عمر اچھے خواب دیکھے اس کا کیا کمال ہے خلاصہ یہ کہ خواب علت نہیں محض علامت ہے وہ بھی جبکہ خواب ہی ہو تغیر دماغ نہ ہو اور آج کل اکثر خواب تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ تغیر دماغ سے پریشان خیالات نظر آنے لگتے ہیں مگر لوگوں نے اس کو مقاصد میں داخل کرلیا ہے اور خواب کے اوپر اعتماد کر کے فیصلے کر دیتے ہیں بعض لوگ چاہتے ہیں کہ مردہ کو خواب میں دیکھ لیا جائے اور جب تک وہ نظر نہیں آتا اس وقت تک متفکر[1] رہتے ہیں حالانکہ اس میں ایک ضرر ہے وہ یہ کہ مردہ اگر اچھی حالت میں نظر آیا تو اس کے بعد ایصال ثواب سے غفلت ہوجاتی ہے گویا ان کے

۱۔ فکرمند

نزدیک ثواب پہنچانے کے لیے معذب[1] ہونا بھی ضروری ہے اور اگر اسے معذب دیکھا تو مسلمان سے خواہ مخواہ بدگمانی ہوگی حالانکہ محض خواب کی بناء پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں یہ ساری گفتگو اس پر شروع ہوئی تھی کہ جملہ خبریہ سے بھی انشاء ہی مقصود ہوتی ہے اور جس جملہ سے انشاء مقصود نہ ہو وہ مہمل ہے یہ مضر آج کل ہی ہوا ہے کہ اخبار کو بھی مقصود سمجھتے ہیں۔ پس ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں اس جگہ جملہ خبریہ وارد ہے مگر جب خبر خود مقصود نہیں ہو سکتی تو حضور ﷺ جو سید الحکماء والفصحاء ہیں آپ کے کلام میں خبر سے مقصود انشاء کیوں نہ ہوگا۔ اگر اس پر کوئی اشکال کرے کہ قل ھو اللہ احد (فرما دیجیے اللہ ایک ہے) میں خبر سے کیا مقصود ہے میں کہوں گا کہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد[2] ہے تم اس کو واحد ہی سمجھو۔ غرض حضور ﷺ کے کلام میں بھی اس جگہ خبر مقصود نہیں بلکہ انشاء مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو تم اپنے اسلام کی تکمیل میں کوشش کرو اور درجہ کمال حاصل کرنے کی فکر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نام کا اسلام رہ جائے یا محض صورت ہی صورت رہ جائے اور یہ درجہ نہ کافی ہے نہ مطلوب کیونکہ مقاصد میں ہمیشہ درجہ کمال مطلوب ہوا کرتا ہے اور اس حدیث میں ضمناً ان لوگوں کی شکایت بھی ہوگئی جو محض درجہ صورت یا درجہ اسم پر اکتفا کرلیں گے اسی کو آپ بطور شکایت کے بیان فرماتے ہیں کہ عنقریب ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اسلام کا نام ہی نام رہ جاوے گا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جاویں گے۔

درجات اسلام

اس کلام نبوی ﷺ سے یہ بات تو صراحۃً معلوم ہوگئی کہ آپ اسلام کے مراتب و درجات بیان فرما رہے ہیں البتہ ان درجات کی تعیین یہ بعض کی اشارۃً ہے

۱۔ عذاب میں گرفتار ہونا ۲۔ اکیلا ہے

اور بعض کی صراحۃً غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے اسلام کے تین درجے بیان فرمائے ہیں لہذا پہلے میں ان درجات کی تعیین کرنا چاہتا ہوں پھر تکمیل کا طریقہ بیان کروں گا۔ ایک درجہ تو اس جگہ صراحۃً مذکور ہے جس کو نام کا اسلام فرمایا ہے اور دو درجے صراحۃً مذکور نہیں مگر تامل[1] سے سمجھ میں آسکتے ہیں چنانچہ ولایبقی من القرآن الا رسمه (قرآن سے صرف نقش ہی باقی رہ جائیں گے) سے دوسرا درجہ مفہوم[2] ہوتا ہے یعنی رسم اسلام کیونکہ جیسے قرآن میں ایک درجہ رسم[3] قرآن ہے اسی طرح اسلام میں ایک درجہ رسم اسلام ہے جس کو صورت اسلام کہنا چاہیئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ اسم اور لفظ رسم کے معنی میں غور کرنے سے لغتہً فرق معلوم ہوتا ہے اسم کہتے ہیں نام کو اور رسم کہتے ہیں نقش کو پس درجہ اسم میں تو شئی کا تحقق[4] نہ صورۃً ہوتا ہے نہ معنیً محض نام ہی نام ہوتا ہے اور درجہ رسم میں نام کے ساتھ صورت کا بھی تحقق[5] ہوتا ہے پس یہ درجہ نام کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے یہ دو درجے ہوئے اب ایک تیسرا درجہ اور ہونا چاہیئے جس کے اعتبار و تقابل[6] سے ایک درجہ کو نام کا اسلام اور ایک درجہ کو صورت کا اسلام کہا گیا ہے وہ درجہ حقیقت کا ہے ظاہر ہے کہ بدوں[7] تصور حقیقت کے نہ نام کا درجہ ہوسکتا ہے نہ صورت کا اس لیے اس کا ماننا تو ضروری ہے۔

اب ترتیب وار سن لیجیئے اسلام کے تین درجے ہوئے ایک تو درجہ حقیقت ہے جس کو کام کا اسلام کہنا چاہیئے، دوسری صورت کا درجہ تیسرے نام کا اسلام ہے جس میں نہ حقیقت ہے نہ صورت ہے مگر برائے نام اس پر حقیقت کا اطلاق

۱۔ غور کرنے سے ۲۔ سمجھ میں آتا ہے ۳۔ نقش قرآن ۴۔ نام کے درجہ میں تو وہ چیز نہ صورۃً پائی جاتی ہے نہ معنیً ۵۔ نقش کے درجہ میں نام کے ساتھ صورۃ بھی پائی جاتی ہے ۶۔ مقابلہ ۷۔ بغیر

کردیا جاتا ہے۔ اس کو ایک مثال میں سمجھیے کہ مثلاً دوستی ایک شے ہے اس کے بھی ہمارے عرف میں تین درجے ہیں ایک تو دوستی کی حقیقت ہے کہ دل سے خیر خواہی اور ہمدردی ہو دوسرے دوستی کی صورت ہے کہ ظاہر میں برتاؤ ایسا ہے جیسا دوستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے مگر دل میں محبت زیادہ نہیں لیکن اس کے ساتھ اتنی بات بھی ہے کہ دشمنی کا برتاؤ بھی نہیں نہ پیچھے غیبت شکایت نہ دشمنوں کے ساتھ سازش ہے یہ بھی ایک درجہ میں دوستی ہے یعنی دوستی کی صورت ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ دشمنی نہ کرنے کو بھی دوستی کہدیا جاتا ہے اور ایک قسم کی دوستی یہ ہے کہ منہ پر تو دوستی کا برتاؤ کیا جاتا ہے جھک کر سلام کرتے ہیں سامنے خوشامد کی باتیں بناتے ہیں اور پیچھے ایذا و اضرار[1] کے درپے ہوتے ہیں تو پہلا درجہ تو کمال دوستی کا ہے اور دوسرا درجہ صورت دوستی کا ہے اور تیسرا درجہ صرف نام کی دوستی ہے جیسے منافقین کو برائے نام مسلمان کہدیا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ جس طرح ہماری نگاہ میں نام کی دوستی کی ذرا بھی قدر نہیں ہوتی اسی طرح خدا تعالیٰ کے یہاں منافقوں کے اسلام کی کچھ بھی قدر نہیں مومن کہلانے سے اور مسلمان نام ہوجانے سے کیا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

میم و واؤ میم و نون تشریف نیست لفظ مومن جز پئے تعریف نیست

یعنی مومن کا لفظ (بدوں وجود حقیقت کے) کچھ شرافت نہیں بلکہ محض پتہ کے لیے ہے جس سے فی الجملہ امتیاز ہو جاتا ہے اس حالت میں لفظ مومن کی ایسی مثال ہوگی جیسے کسی جاہل لٹھ کا نام فاضل رکھدیا جاوے تو اس نام سے اس کو ایک امتیاز تو حاصل ہوجائے گا کہ فاضل کہنے سے وہی سمجھا جاوے گا مگر نام فاضل ہونے سے وہ سچ مچ تو فاضل نہیں ہوجاتا وہ تو جاہل ہی رہتا ہے اسی طرح منافق کو مومن

۱۔ تکلیف اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں

کے لقب سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کہیں الفاظ سے بھی کام چلا کرتا ہے۔

اشکال و جواب

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ لایبقیٰ من القرآن الا رسمہ (قرآن سے صرف نقش ہی باقی رہ جائیں گے) سے جو تم نے دوسرا درجہ مراد لیا ہے کہ لفظ رسم سے درجہ صورت مراد ہے اس کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ اس سے بھی وہی مراد ہو جو الا اسمہ سے مراد ہے (مگر اس کا نام ہی نام) پس ایک جملہ میں ہے دوسرے جملہ میں اسی درجہ قرآن کا بیان ہے اس کے چند جواب ہیں اول یہ کہ بلاغت کا مسئلہ ہے کہ تاکید سے تاسیس اولیٰ ہے لہذا حضور ﷺ کے کلام میں جو کہ سید البلغاء[1] ہیں تاسیس ہی مراد ہونی چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کے متعلق درجہ اسم مراد لینا صحیح بھی نہیں کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین جس میں قرآن بھی داخل ہے قرب قیامت میں خود مرتفع[2] نہ ہوگا بلکہ علماء وقراء مرجاویں گے اس کے بعد مسلمان بھی دنیا سے اٹھ جائیں گے سو قرآن مجید کا علم و عمل گو باقی نہ رہے مگر خود قرآن مجید رہے گا یہ نہیں کہ قرآن کا صرف نام ہی نام رہ جائے اور اس کی صورت بھی باقی نہ رہے بلکہ قرآن کی صورت اخیر زمانہ تک ضرور باقی رہے گی لہذا الا رسمہ (مگر اس کے نقش) سے درجہ اسم مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا اس سے درجہ صورت ہی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کے اندر صرف قرآن شریف کے نقوش رہ جائیں گے اس کے سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے بہت کم رہ جائیں گے اور صرف درجہ رسم کا باقی رہنا بھی باعتبار اکثر کے ہے کل کے اعتبار سے نہیں کیونکہ قیامت تک ایک جماعت قرآن کی سمجھنے والی اور اس پر عمل کرنے والی ضرور رہے گی خواہ وہ

۱۔ سب بلیغ لوگوں کے سردار ۲۔ اٹھے گا

معدودے[1] چند ہی ہوں کیونکہ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی آچکا ہے لایزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامۃ (قلت رواہ الشیخان واللفظ لمسلم ۱۲جامع) (میری امت سے ایک گروہ قیامت تک حق پر مقاتلہ کرکے غالب رہے گا میں کہتا ہوں کہ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور لفظ مسلم کے ہیں) یعنی قیامت تک ایک جماعت حق پر ضرور رہے گی اور ظاہر ہے کہ حق پر ہونا بدون عمل بالقرآن[2] کے ممکن نہیں کہ ایک جماعت قرآن پر عمل کرنے والی قیامت تک (مراد قرب قیامت ہے) ضرور رہے گی۔ لہذا لایبقی من القرآن الا رسمہ (قرآن سے اس کے نقش ہی باقی رہ جائیں گے) سے درجہ اسم مراد نہیں ہوسکتا اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ لایبقیٰ من الاسلام الا اسمہ (اسلام سے صرف اس کا نام ہی نام باقی رہے گا) بھی اکثر کے اعتبار سے ہے سب کے اعتبار سے نہیں کیونکہ ہر زمانہ میں ایک جماعت کامل الاسلام بھی ضرور رہے گی۔

حقیقت اسلام

اب اس کو سمجھئے کہ اسلام میں درجہ حقیقت کونسا ہے اور نام کا اسلام کونسا ہے اور صورت اسلام کیا ہے اس کے سمجھنے کے لیے پہلے آپ کو اسلام کی حقیقت سمجھنی چاہیئے حقیقت کے معلوم ہونے کے بعد باقی دو درجے خود ہی معلوم ہوجائیں گے۔ آج کل اسلام کا نوحہ کرنے والے تو بہت ہیں مگر افسوس حقیقت جاننے والے بہت کم ہیں۔ آج کل لکچروں اور وعظوں میں اسلام کا رانڈ رونا رویا جارہا ہے کہ اسلام پستی میں آگیا، اسلام کمزور ہوگیا کوئی کہتا ہے کہ اسلام کو اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے کوئی کہتا ہے کہ اسلام مسلمانوں سے یہ درخواست کرتا ہے وغیرہ

۱۔ گنتی کے چند افراد ۲۔ قرآن پر عمل کیے بغیر

وغیرہ کوئی ان سے پوچھے کہ تم یہ نوحہ[1] کس کا کر رہے ہو۔ کیا اسلام کوئی مبتلا ہے جس کے اوپر یہ آفتیں آرہی ہیں کیا اسلام کوئی تم سے الگ چیز ہے جو کبھی بڈھا ہوتا ہے کبھی بیمار ہوتا ہے کبھی اس پر حملے کیے جاتے ہیں۔ اے صاحبو! اسلام تو حقیقت میں آپ کی ایک صفت ہے۔ تم اپنے آپ کو مسلم یا مسلمان کہتے ہو تم موصوف ہو اور اسلام تمہاری ایک صفت ہے جیسے کوئی شخص حسین ہو تو حسن اس کی ایک صفت ہے اور وہ موصوف بالحسن ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ صفت کا تحقق موصوف ہی کے ساتھ ہوا کرتا ہے جدا نہیں ہوا کرتا چنانچہ حسن کا تحقق[2] ہمیشہ حسین آدمی کے ساتھ ہوا کرتا ہے حسن کے لیے کوئی جدا تحقق نہیں۔ جب یہ بات ہے تو اب بتلائیے کہ تم جو اسلام کا نوحہ کرتے ہو اس کا مطلب کیا ہے کیا بعینہٖ[3] یہی مثال نہیں کہ کوئی شخص حسن کا نوحہ کرتا پھرے اور اپنی خبر نہ لے۔ صاحبو! آپ کا نوحہ اسلام کرنا حقیقت میں یہ اپنا نوحہ ہے، تمہارا تنزل یہ اسلام کا تنزل ہے، تمہاری ضرورت اسلام کی ضرورت ہے ورنہ کوئی بتلائے کہ تم سے علیحدہ اسلام کا وجود کونسا ہے مگر اب حالت یہ ہے کہ اسلام کا تو رانڈ رونا روتے ہیں مگر اپنی خبر نہیں لیتے اپنی اصلاح کا کسی کو اہتمام نہیں بس وہ حالت ہے جو مولانا فرماتے ہیں۔

کردہ تاویل لفظ بکر[4] را — خویش را تاویل کن نے ذکر را

بر ہوا تاویل قرآں می کنی — پست وکثر شد از تو معنی سنی

(تم محفوظ الفاظ (یعنی قرآن حکیم میں تاویل کرنے لگے ہو تم کو چاہیئے کہ اپنے اندر تاویل یعنی تغیر پیدا کرو قرآن میں تاویل نہ کرو۔

۱۔ غم — ۲۔ حسن کو وجود — ۳۔ بالکل

(۴) مذکورہ شعر میں "بکر" اور "ذکر" سے مراد قرآن حکیم ہے قرآن پاک کو لفظی اور معنوی غلطی سے

تم محض ہوائے نفسانی پر قرآن کی تاویل کرتے ہو جس سے تمہاری تاویل کی بدولت قرآن کے روشن معنیٰ کج اور متغیر ہوگئے)

جو لوگ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اپنی خدمت کریں جب وہ خود درست ہوجائیں گے تو اسلام بھی درست ہوجائے گا۔ اسلام کی اصل خدمت یہی ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور اپنے اعمال و اقوال واحوال کو اسلام کے مطابق بناؤ جب تمہاری کامل اصلاح ہوجائے گی تو اسلام کو ترقی ہوجائے گی۔

نئی روشنی والوں کی خدمت اسلام کی حقیقت

مگر اب تو یہ حالت ہے کہ اسلام کی خدمت اور حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وقت نماز روزہ کی تعلیم اور مسئلہ بتلانے کا نہیں ہے اب تو خدمت اسلام کی ضرورت ہے اے اللہ نہ معلوم وہ اسلام کی خدمت و حفاظت کیا چیز ہے جس کے لیے نماز روزہ کی اور حلال و حرام کے جاننے کی بھی ضرورت نہیں۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ کسی اخبار میں کسی ریفارمر کا یہ مضمون شائع ہوا تھا کہ اسلام میں ایک ایسی چیز ہے جو ترقی سے بہت ہی سدراہ[1] ہے وہ یہ کہ مسلمان ہوکر پانچ وقت کی نماز پڑھنا پڑتی ہے۔ بہت سے غیر مسلم مسلمان ہونا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

محفوظ ہونے کی وجہ سے "بکر" کہا جیسے باکرہ غیر شادی شدہ لڑکی محفوظ ہوتی ہے اور قرآن کا لقب "ذکر" خود قرآن میں ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر. حضرت اس شعر سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اپنے اندر تغیر پیدا کرو قرآن کے معنیٰ بدلنے کی فکر نہ کرو کیونکہ یہ اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ پہلے اپنے ذہن میں اعتقاد فاسد جمالیا پھر قرآن کے الفاظ میں تاویل کرکے اس معنیٰ فاسد کے مطابق اس کو ثابت کردیا حالانکہ قواعد عربیہ شرعیہ کے مطابق حکم صاف واضح ہوتا ہے جو تمہاری تاویل کے خلاف ہے اس لیے اپنی اصلاح کرو قرآن میں تاویل نہ کرو ۱۲ خلیل۔

۱۔ راستہ روکنی والی ہے

چاہتے ہیں اور وہ اسلام کو حق سمجھتے ہیں مگر پانچ اوقات کی نماز کو فرض سن کر وہ اسلام سے رک جاتے ہیں لہذا ہمارے علماء کو چاہئیے کہ اسلام میں سے نماز کو نکال دیں اگر یہ نکال دی گئی تو اسلام کو بہت ترقی ہوگی اور بڑا مانع مرتفع[1] ہو جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اگر اسلام میں نماز کو نکال دیا گیا اور نکالنے کے معنیٰ یقیناً یہی ہیں کہ نماز کو ضروری نہ کہا جاوے پھر وہ اسلام ہی کہاں رہے گا وہ بھی ساتھ ساتھ رخصت ہو جائے گا پھر اگر لوگ اسلام بھی قبول کریں تو وہ محض نام کا اسلام ہوگا حقیقت اسلام اس میں نام کو بھی نہ ہوگی تو اب جتنی بھی ترقی ہو وہ اسلام کی ترقی تھوڑا ہی ہوگی کفر کی ترقی ہوگی کیونکہ فرضیت صلوٰۃ سے انکار کرنا کفر ہے۔

یہ تو اسلام کی خدمت ایسی ہوگی جیسے ایک بڑھیا کے گھر میں شاہی باز آ گرا تھا اس نے باز کبھی دیکھا نہ تھا اس لیے اس کی بڑی چونچ دیکھ کر وہ بھی ٹیڑھی کہنے لگی کہ ہائے تو دانہ کیونکر کھاتا ہوگا تیری چونچ تو بڑی ٹیڑھی ہے اس کے بعد قینچی سے اس کی چونچ کاٹ ڈالی۔ پھر ٹیڑھے ناخن دیکھ کر اسے اور بھی ترس آیا کہ ہائے کسی نے تیرے ناخن بھی نہیں بنائے تو چلتا کیسے ہوگا اس نے ناخن بھی کاٹ دیے۔ پھر لمبے لمبے بازو دیکھ کر کہنے لگی کہ اتنا بوجھ لیکر تجھ سے اڑا کیونکر جاتا ہوگا پھر قینچی سے پر بھی کاٹ دیے اس نے تو اپنے زعم[2] میں اس کے ساتھ بڑی ہمدردی کی تھی مگر حقیقت میں اس نے اس کو برباد کر دیا جب بادشاہ کو تلاش کے بعد پتہ لگا کہ شاہی باز ایک بڑھیا کے گھر میں ہے تو اس نے منگوایا تو وہاں وہ لنڈورا بنا ہوا پہنچا بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو لے کر بازار میں اور شہر کی گلی کوچوں میں منادی[3] کرو کہ جو شخص اپنے قدر دان مربی سے جدا ہو کر ناقدروں کے ہاتھ میں جا

۱۔ بہت بڑی رکاوٹ دور ہو جائے گی ۲۔ اپنے گمان میں ۳۔ اعلان کرو

بھنسے اس کی یہ گت بنا کرتی ہے توصاحبو! ہم بھی آج کل اسلام کی ایسی ہی خدمت وحفاظت کر رہے ہیں جیسے اس بڑھیا نے شاہی باز کی خدمت کی تھی کہ اسلام کی ناک کان کاٹ کر آپ اس کو رونق و ترقی دینا چاہتے ہیں کہ نہ نماز کی ضرورت ہے نہ روزہ کی نہ قربانی کی نہ حج کی نہ کفریات ومعاصی[1] سے بچنے کی اور پھر بھی وہ اسلام کی حفاظت ہی چلی جارہی ہے ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ ہم جس کی خدمت و حفاظت کا دعویٰ کر رہے ہیں ہمارے اقوال و افعال سے اس کی بیخ کنی[2] ہو رہی ہے۔ شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

یکے بر سر شاخ و بن می برید خداوند بستان نگہ کرد و دید

(ایک شخص ٹہنی پر بیٹھا ہوا جڑ کاٹ رہا تھا باغ کے مالک نے نگہ کی اور دیکھا)

ایک صاحب نے مجھ سے ابھی ایک مسئلہ پوچھا تھا میں نے اس کا شرعی جواب دے دیا تو وہ کیا کہتے ہیں کہ یہ تو سود کی صورت ہے میں نے کہا بہتر ہے اگر آپ کے نزدیک یہ سود کی صورت ہے تو اس پر عمل نہ کریں مگر اسلام کا حکم یہی ہے ہم اس کو بدل نہیں سکتے افسوس لوگوں کا مذاق آج کل یہ ہو رہا ہے کہ شریعت میں وہی مسائل رکھے جائیں جو ہماری عقل کے مطابق ہوں اور جو بات ان کی سمجھ میں نہ آوے اس کو شریعت میں نہ رہنا چاہیئے میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا کر دیا جائے تو پھر وہ مذہب اسلام کہاں رہے گا بلکہ خود ساختہ مذہب ہو جائے گا تو جس مذہب میں بندوں کی رائے اور تصنیف کو دخل ہو سکے وہ تو ایسا کر سکتا ہے مگر اسلام میں ایسا نہیں ہو سکتا یہ تو خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہے جس کی حفاظت کا حق تعالیٰ نے خود وعدہ کیا ہے اس میں کسی کی ذاتی رائے اور تصنیف چل نہیں سکتی بہت لوگ احکام میں تحریف[3] کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ سب

۱۔ گناہوں ۲۔ بنیاد اکھڑ رہی ہے ۳۔ ردوبدل

تحریفات خود ہی مٹ جاتی ہیں اور احکام شرعیہ اپنی اسی اصلی حالت پر قائم رہتے ہیں۔

الغرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلام تم سے جدا کوئی چیز نہیں مسلمانوں ہی سے اسلام کا ظہور ہوتا ہے اس لیے اسلام کی ترقی تمہاری ترقی ہے اور تمہارا تنزل اسلام کا تنزل ہے جیسے کسی عورت سے دوسری عورت نے پوچھا کہ بی فوج کسے کہتے ہیں اس نے کہا کہ تیرا میاں میرا میاں یہ سب مل ملا کر فوج ہوجاتی ہے۔ واقعی فوج کی حقیقت اس نے خوب بتلائی کوئی فوج کا الگ پتلا تھوڑا ہی ہوتا ہے یہی حالت اسلام کی ہے کہ ہمارے اور تمہارے درست ہونے سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے کوئی ہم سے الگ چیز تھوڑا ہی ہے تو اب اگر اسلام کی ترقی چاہتے ہو تو اپنی حالت کی اصلاح کرو جب تم سب درست ہوجاؤ گے بس اسلام کو ترقی ہوگی۔

اسلام کی ترقی کے معنیٰ

مگر یہ یاد رکھو کہ اپنی درستی یا اسلام کی ترقی کے یہ معنیٰ نہیں کہ تم مال و دولت زیادہ جمع کرنے کی تدبیریں کرو یہ تو خوش حالی اور تمول کی ترقی ہے۔ اسلام کی ترقی یہ ہے کہ تم اپنی ایسی حالت بناؤ کہ تم کو دیکھ کر دنیا یوں کہنے لگے کہ ہاں بھائی یہ لوگ مسلمان ہیں یعنی تمہاری حرکات و سکنات کو دوسروں کی حرکات و سکنات سے امتیاز ہو تمہاری وضع و ہیئت[1] ممتاز ہو تمہارے احوال و افعال و اقوال تعلیم اسلام کے تابع ہوں اس وقت یہ بات حاصل ہوگی کہ جہاں ایک مسلمان اور ایک کافر کو جمع کیا جائے گا فوراً لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ مسلمان ہے یہ کافر ہے دونوں کے برتاؤ کو دیکھ کر لوگ پہچانیں گے کہ اس کا برتاؤ مسلمانوں جیسا ہے اس کا نہیں اب تو ہماری یہ حالت ہے کہ ہماری تقریر و تحریر معاملات و معاشرت

۱۔ وضع قطع اور شکل وصورت

اسلام سے بہت دور جا پڑی ہے حتیٰ کہ صورت میں بھی بہت کم امتیاز باقی ہے اس حالت میں اسلام کو ترقی کیونکر ہو اور اگر اسی حالت میں رہ کر تم نے ترقی بھی کی تو یاد رکھو وہ اسلام کی ترقی نہ ہو گی بلکہ محض مال و دولت کی ترقی ہو گی۔ مگر اس طرف لوگوں کو بہت ہی کم توجہ ہے اپنی اصلاح کی فکر ہی نہیں صرف اسلام کے تنزل کا نوحہ کرتے رہنا ان کا کام رہ گیا ہے حالانکہ خود اسلام میں کوئی نقص[1] یا ضعف کچھ نہیں ہوا ایک دفعہ میں ایک مدرسہ کے جلسہ میں شریک ہوا وہاں ایک واعظ صاحب نے اپنے وعظ میں کہا کہ آج کل اسلام کی حالت بیوہ عورت جیسی ہے جس طرح وہ اپنے سرپرست کے مرجانے سے تیری دست نگر ہو جاتی ہے اسیطرح اسلام تمہارا منہ تک رہا ہے اس لیے اعانت اسلام کی سخت ضرورت ہے پھر اخیر میں اعانت کا طریقہ یہ بتلایا کہ مدرسہ میں چندہ دو۔ مجھے یہ مضمون بہت ناگوار ہو۔ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ اسلام کی حالت بیوہ عورت جیسی کیوں ہونے لگی ہاں تم خود رونڈوے ہو گئے اپنے ضعف کو اسلام کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو اسلام ہرگز ضعیف نہیں ہوا بلکہ حقیقت میں تم ضعیف ہو رہے ہو اور اسلام کی طرف تمہارا اس ضعف کو منسوب کرنا ایسا ہے جیسے ہمارے یہاں ایک عورت نے عید کا چاند دیکھا تھا اس وقت وہ بچے کو پاخانہ کرا رہی تھی جلدی میں اسے کپڑے سے پونچھ کر ناک پر انگلی رکھ کر چاند دیکھنے لگی عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ اکثر ناک پر انگلی رکھ کر بات چیت کیا کرتی ہے انگلی میں کہیں پاخانہ لگا رہ گیا تھا وہ کیا کہتی ہے۔ اوئی اب کے چاند سڑا ہوا کیوں نکلا۔ اس بھلی مانس نے اپنی انگلی کی تو خبر نہ لی چاند کو سڑا ہوا بتلا دیا یہی ہماری حالت ہے کہ اپنے ضعف کی تو خبر نہیں لیتے اسلام کو ضعیف بتلاتے ہیں حالانکہ اسلام کی اب بھی وہی حالت ہے جو پہلے

۱۔ نقصان یا کمزوری

تھی۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست　　　　خم وخمخانہ بامہر ونشاں ست

(اب بھی وہ ابر رحمت درفشاں ہے خم اور خمخانہ مہر ونشان کے ساتھ موجود ہے)

سرٹے ہوئے تم خود ہو یا مہتاب اسلام کو سرٹا ہو کیوں بتلاتے ہو باقی یہ جو میں نے ابھی کہا تھا کہ اسلام مسلمانوں کے ساتھ لگا ہوا ہے ان سے جدا اور الگ نہیں ہے اس لیے مسلمانوں کا تنزل اسلام کا تنزل ہے اور ان کی ترقی اسلام کی ترقی ہے یہ مضمون اس سے متعارض[1] نہیں کیونکہ اس سے میری مراد ظہور اسلام ہے نہ کہ حقیقت اسلام یعنی اسلام کا ظہور مسلمانوں کے تابع ہے اور مسلمانوں کو دیکھ کر ہی دوسری قوموں کو اسلام کا ظہور معلوم ہوتا ہے ورنہ حقیقت اسلام ایک مستقل شے ہے وہ کسی کے تابع نہیں کیونکہ وہ نام ہے قرآن وحدیث کی تعلیم کا اور یہ اسلام کسی وقت کمزور نہیں ہوسکتا یہ تو ابتدا سے جیسا ہے اسی حال پر موجود ہے اس کا نوحہ تو کسی وقت بھی نہیں ہوسکتا ورنہ ان شاء اللہ کبھی ہوگا البتہ جس اسلام کا لوگ نوحہ کر رہے ہیں وہ مسلمانوں ہی کے تابع ہے اور اس کی ترقی وتنزل کو میں نے مسلمانوں کی ترقی وتنزل کے تابع کہا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کے دو وجود ہیں ایک اصلی ایک عارضی وجود اصلی اس کا مستقل ہے اور اس میں بھی ضعف نہیں آسکتا اور وجود عارضی اہل اسلام کے ساتھ لگا ہوا ہے اس کی قوت وضعف مسلمانوں کی حالت کے تابع ہے اور اسی کا آج کل نوحہ ہو رہا ہے جو کہ درحقیقت اپنا ہی نوحہ ہے صاحبو اسلام کی حالت جب خراب ہوتی جب یہودیت نصرانیت کی طرح اسلامی احکام میں بھی خلط[2] ہوجاتا۔

۱۔ ٹکراتا نہیں ۲۔ حق وباطل مل جاتا

احکام اسلام ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہیں

مگر خدا کے فضل سے احکام اسلامی اب تک اسی آب و تاب کے ساتھ اپنی اصلی حالت پر ہیں گو اہل باطل نے تحریف کی بہت کوشش کی ہے مگر لفظی تحریف تو کبھی ہو ہی نہ سکی چنانچہ قرآن کو خدا تعالیٰ نے حفظ کے ذریعہ سے ایسا محفوظ کیا ہے کہ اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی احادیث میں وضاعین[۱] نے اپنی طرف سے کچھ باتیں ٹھونسنا چاہی تھیں تو حق تعالیٰ نے محدثین کی جماعت کو پیدا کر دیا جنہوں نے رجال و سند سے بحث کر کے وضاعین[۲] کی وضع کو نکال باہر کیا حدیث کی اس طرح حفاظت کی گئی البتہ تحریف معنوی اہل اہواء[۳] ہر زمانہ میں کرتے رہتے ہیں مگر وہ بھی چند روز کے بعد مٹ جاتی اور محرفین[۴] ہی کے ساتھ ان کی تحریف بھی چل دیتی ہے اور اسلام کی ہر وقت وہی حالت رہتی ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست　　　خم و خمخانہ بامہر و نشان ست

(اب بھی وہ ابر رحمت درفشاں ہے خم و خمخانہ مہر و نشاں کے ساتھ موجود ہے)

اور تماشا یہ ہے کہ تحریف معنوی بھی اس وقت تک نہیں چلتی جب تک اس کی تائید میں کوئی شرعی دلیل نہ پیش کی جائے اگر کوئی شخص اپنی طرف سے ایک بات نکال کر یوں چاہے کہ مسلمان اس کو میرا قول سمجھ کر اسلام میں داخل کریں تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ مسلمانوں کے عقیدہ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اسلام میں حضور ﷺ بھی اپنی طرف سے کسی بات کا اضافہ بدون حکم الٰہی کے نہیں کر سکتے تھے تو دوسروں کا تو شمار ہی کیا ہے۔

۱۔ موضوع حدیثیں بنانے والوں نے ۲۔ حدیث نقل کرنے والے افراد اور ان کی روایت کے متعلق بحث کر کے صحیح اور غلط کو واضح کر دیا ۳۔ خواہش پسند ۴۔ تحریف کرنے والوں

مسائل میں تحریف کی ناکام کوشش

پس تحریف بھی کسی شرعی حکم کے تابع ہو کر ہی کچھ روز تک چلتی ہے اور واقعی یہ غایت حفاظت ہے چنانچہ ایک دنیا پرست عالم نے کسی شخص کے لیے اس کی ساس کو حلال کرنا چاہا تھا کیونکہ اس ترکیب سے ان کو ایک ہزار کی رقم ملتی تھی تو اب دیکھیے یہ تحریف کیونکر چلی محض اتنی بات لکھنے پر وہ شخص قانع نہیں ہوا کہ بس میں جائز کرتا ہوں تو بلا تکلف جائز سمجھ بلکہ ان مولوی صاحب کو اس کے لیے باقاعدہ فتویٰ مرتب کرنا پڑا جس میں ظالم نے دلائل شرعیہ میں تحریف کی اور اسی ترکیب کا معاوضہ اس نے ایک ہزار روپیہ لیا تھا چنانچہ اس لیے لکھا کہ ساس کہتے ہیں منکوحہ[1] کی ماں کو اور ابھی تک اس کا منکوحہ ہونا ہی متحقق نہیں کیونکہ ہندوستان کی عورتیں جاہل ہیں اکثر ان کی زبان سے کلمات کفر نکل جاتے ہیں اور نکاح کے وقت لڑکی سے تجدید ایمان نہیں کرائی گئی لہذا غالب یہ ہے کہ وہ مرتدہ تھی جس کا نکاح درست نہیں[2] ہوا تو وہ منکوحہ نہیں ہوئی تو اس کی ماں منکوحہ کی ماں نہیں ہوئی لہذا اس سے نکاح درست ہے رہا یہ کہ حرمت مصاہرت[3] کا ثبوت تو زنا سے بھی ہوجاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کا مسئلہ مختلف شافیہ ہے امام شافعی اس کے قائل نہیں لہذا حرمت مصاہرت کے بارہ میں ہم نے بضرورت امام شافعی کے مذہب کو اختیار کرلیا ہے تو دیکھیے اس عالم کی تحریف بھی اس ترکیب سے چلی کہ اس کو کھینچ تان کر ایک صورت فقیہہ کے تحت میں داخل کرنا پڑا گو وہ داخل ہو نہیں سکی کیونکہ اس شخص نے محض احتمال کی بنا پر اس عورت کو مرتدہ بنایا ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں واقعی جب عالم بگڑتا ہے وہ ستم

۱۔ بیوی کی ماں ۲۔ مرتدہ کا نکاح مسلمان سے نہیں ہوسکتا ۳۔ ایسی عورتیں جو نکاح کی وجہ سے حرام ہوتیں یا زنا کیوجہ سے

ہی ڈھتا ہے جاہل تو گناہ کر کے شرماتا بھی ہے کیونکہ وہ گناہ کو گناہ سمجھتا ہے مگر عالم اگر گناہ بھی کرتا ہے تو اس کو دین کے اندر ٹھونستا ہے نعوذ باللہ منہ۔

اسی طرح ایک جگہ کسی آدمی نے اپنی علاتی[۱] بہن سے نکاح کیا تھا نہ معلوم وہ کمبخت بہت کیونکر راضی ہو گئی اس کی ماں نے کہا کہ کمبخت یہ تو نکاح نہیں ہوا حرام ہوا کہنے لگی وہ ہم تو اپنے بھائی ہی کے پاس رہیں گے تم کو کیا۔ واقعی بھائی سے زیادہ بہن کا حقدار کون ہے تو یہ شخص قابیل[۲] وقت ہو گیا جس طرح اس نے اپنی بہن سے نکاح کرنا چاہا تھا اور یہی دلیل بیان کی تھی کہ اپنی بہن کا میں زیادہ مستحق ہوں اسی طرح اس شخص نے کیا پھر جب اس سے لوگوں نے سوال کیا کہ ظالم تو نے بہن سے نکاح کس قاعدہ سے کیا یہ تو نص قطعی[۳] سے حرام ہے یعنی واخواتکم (تمہاری بہن حرام ہیں) کہنے لگا کہ اخواتکم سے اخوات کاملہ مراد ہیں یعنی حقیقی بہنیں لان المطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل۔ (مطلق کا جب اطلاق کیا جائے تو اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے)۔

ایک صاحب نے فتویٰ دیا کہ منکوحۃ الجد (دادا کی منکوحہ) سے نکاح جائز ہے اور دلیل یہ بیان کی کہ مانکح اباءکم (ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے) سے صرف منکوحۃ الاب[۴] مراد ہے باپ کی منکوحہ حالانکہ اجماعاً منکوحۃ الجد[۵] بھی اس میں داخل ہے پھر سنا کہ بعد میں ان صاحب نے اس غلطی سے رجوع کیا۔ غنیمت ہے۔

اسلام کا محافظ اللہ ہے اس میں تحریف ممکن نہیں

تو گو لوگ دین میں ایسی معنوی تحریفیں کرتے رہتے ہیں مگر یہ بھی چلتی نہیں

۱۔ جن کا باپ ایک ہو ۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا ۳۔ قرآن کے شرعی حکم ۴۔ سوتیلی ماں ۵۔ سوتیلی دادی

چند روز میں سب مٹ مٹا جاتی ہیں کیونکہ قرآن مجید میں جا بجا خدا تعالیٰ کے وعدے ہیں کہ ہم اس دین کی حفاظت کریں گے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) (اور) ھوالذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کله ولو کرہ المشرکون۔ (وہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردیں اگرچہ مشرکین ناپسند کریں) اور حدیث میں ہے لایزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خذلھم حتی یاتی امراللہ. کہ قرب قیامت تک ایک جماعت میری امت میں سے حق پر ہمیشہ قائم رہے گی اور ان کو اس سے کچھ ضرر نہ ہوگا کہ لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ جماعت اسلام کی خدمت اور احکام کی حفاظت کرتی رہے گی اور محرفین کی لفظی معنوی تحریفات کو دین میں سے نکالتی رہے گی وہ کسی کی مخالفت کی پروا نہ کریں گے۔ دوسری حدیث میں ان لوگوں کو بشارت دی گئی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: ان ھذا الدین بدأ غریباً وسیعود غریباً فطوبیٰ للغرباء۔ غریب کے معنیٰ مفلس و نادار نہیں ہیں بلکہ عربی میں غریب کہتے ہیں پردیسی، اجنبی، بے یار و مددگار کو مطلب یہ ہوا کہ اسلام کی ابتدا بھی ایسی جماعت میں ہوئی ہے کہ اس کے یار و مددگار کم تھے اور اخیر میں بھی اس کی یہی حالت ہو جائے گی کہ اس کے مددگار کم ہوں گے اور جو لوگ مددگار ہوں گے بھی ان کا ساتھ کوئی نہ دے گا تو اسلام کے معاونین بھی اس وقت بے یار و مددگار ہوں گے آگے ان کو بشارت ہے فطوبیٰ للغرباء، کہ ان بے یار و مددگار لوگوں کے لیے مبارکباد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں دین کے ناصر بہت کم ہو جائیں گے کیونکہ طائفہ کا اطلاق جماعت قلیل ہی پر ہوتا ہے خصوصاً لفظ امت کے مقابل لایا گیا ہے

تو اس سے قلیل ہی مراد ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان ناصروں کے ساتھی بھی کم ہوں گے اور اس وقت یہی تھوڑی سی جماعت حق پر ہوگی یہی دین کو اصلی صورت میں ظاہر کریں گے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی جانب جماعت کثیرہ کا ہونا حقانیت کی دلیل نہیں۔

الغرض اسلام یہودیت و نصرانیت کی طرح ضعیف و کمزور نہیں ہوسکتا اس میں خلط ملت اور تحریف نہیں ہوسکتی اس لیے اسلام کا نوحہ کرنا کسی وقت درست نہیں البتہ دین کو ہم لوگوں نے خود بگاڑ رکھا ہے یعنی لوگوں کی نظروں میں اپنی حرکتوں سے اس کو بدنام کردیا ہے۔ کفار ہمارے اعمال و افعال کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی یہی تعلیم ہوگی اس لیے وہ اسلام پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتے ہیں یا اسلام کو وحشی اور غیر متمدن مذہب بتلاتے ہیں اگر آج ہم اپنی اصلاح کرلیں تو کفار کی آنکھیں کھل جائیں کہ اسلام سے زیادہ تہذیب و تمدن کسی مذہب میں بھی نہیں پس اے صاحبو! اپنے ضعف کو اسلام کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو اسلام ضعیف نہیں اس کی قوت ذاتی ہے عارضی نہیں اس کی اصلی قوت کبھی زائل نہ ہوگی۔

اسلام کے ضعف کا سبب ہم خود ہیں اس کی تمثیلات

ہاں وہ قوت جو ہر مذہب کو اپنے متبعین کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہے اس میں کبھی ضعف تمہاری عارضی حالت کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس ضعف کا منشا ہم خود ہیں ہماری وجہ سے یہ ضعف پیدا ہوتا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم اپنے ضعف کا علاج کرو اپنی اصلاح کر کے قوت پیدا کرو۔ ورنہ بدون اپنی اصلاح کے اسلام کا نوحہ کرنا ویسا ہی ہوگا جیسا کہ کس عورت نے چاند کو سڑا ہوا بتلایا

تھا نیز جس طرح ایک حبشی جارہا تھا راستہ میں اسے ایک آئینہ پڑا ہوا ملا اٹھا کر دیکھا تو اس میں آپ کو اپنی دلفریب صورت نظر آئی جھلا کر پھینک دیا اور کہا کہ ایسا بد صورت تھا جب ہی تو کوئی تجھے یہاں پھینک گیا ہے تو جس طرح اس حبشی نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ آئینہ ہی کی یہ صورت ہے اسی طرح اسلام کے آئینہ میں آپ کو اپنا ضعف نظر آرہا ہے جس کو آپ اسلام کا ضعف سمجھتے ہیں جیسے ایک بوڑھے میاں کی حکایت ہے کہ ان کا بچہ روٹی کھا رہا تھا پاس لوٹا رکھا تھا اس نے جو لوٹے پر ہاتھ رکھا تو روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے لوٹے میں گر گیا۔ لڑکے نے جو اس میں سے نکالنا چاہا تو اس کو پانی میں اپنی صورت نظر آئی وہ سمجھا کہ لوٹے میں کوئی دوسرا لڑکا بیٹھا ہوا ہے وہ کہنے لگا کہ ابا اس نے میرا ٹکڑا چھین لیا ہے پوچھا کس نے کہا یہ جو لوٹے میں بیٹھا ہوا ہے۔ ابا جان نے جو جھک کر دیکھا تو ان کی اپنی صورت نظر آئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ تف ہے تیری نوقات پر اتنی بڑی داڑھی لگا کر بچہ کے ہاتھ سے ٹکڑا چھینتے شرم نہ آئی۔

ایمان اور اسلام میں فرق

مجھ کو اس جگہ ایک نکتہ بھی بتلانا ہے کہ اسلام و ایمان ایک ہیں یا دو نصوص[۱] سے یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اعمال ظاہرہ پر اطلاق[۲] کیا جاتا ہے اور ایمان عقائد کا نام ہے گو اطلاق میں دونوں متحد[۳] ہیں کیونکہ آج کل جو شخص صورت اسلام اختیار کیے ہوئے ہو ہم اس کو مومن ہی کہیں گے کیونکہ نفاق کا علم ہم کو نہیں ہوسکتا وحی بند ہوچکی ہے مگر حضور ﷺ کے زمانہ میں اسلام و ایمان میں اطلاقاً بھی فرق تھا پس آج کل دونوں کا اتحاد ایک عارض کی وجہ سے ہے کہ ہم کو نفاق کا علم نہیں ہوسکتا ورنہ اصل میں فرق ضرور ہے پس یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ

۱۔ دلائل ۲۔ اسلام ظاہری اعمال نماز روزہ پر بولا جاتا ہے ۳۔ مشترک

حضور ﷺ ہمارے اسلام ہی کی شکایت فرما رہے ہیں ایمان کی شکایت نہیں فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ جس خاص زمانہ میں مسلمانوں کے اعمال میں ایسا تغیر آجائے کہ ان کا اسلام برائے نام رہ جائے۔ یہ ضرور نہیں کہ ایمان بھی برائے نام رہ جائے ممکن ہے کہ عقائد ضروریہ توحید و رسالت و قرآن و آخرت میں تغیر نہ آئے عقائد درست رہیں چنانچہ بحمد اللہ اس وقت تک تو اکثر مسلمانوں کے عقائد درست ہیں گو بعض فروعی اختلاف بدعت وسنت و تقلید و عدم تقلید پیدا ہو گئے ہیں مگر یہ نزاع[1] ضروریات میں نہیں اب جبکہ رسم[2] اور اسم[3] کے معنیٰ اور اسلام کے درجات معلوم ہو گئے تو اس سے اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ اسلام کی بابت تو یہ شکایت فرمائی گئی لایبقی من الاسلام الا اسمہ (اسلام سے صرف اس کا نام ہی نام باقی رہ جائے گا)۔ اور قرآن کے متعلق فرمایا کہ لایبقی من القرآن الا رسمہ. یعنی قرآن کے نقوش ہی رہ جائیں گے حاصل اس وجہ کا یہ ہے کہ قرآن میں ایسا تغیر نہیں ہو کہ غیر قرآن، قرآن مشہور ہو گیا چنانچہ قرآن آپ کے سامنے موجود ہے قدیم سے قدیم نسخوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو ایک حرف کا فرق نظر نہ آئے گا بشرطیکہ اہل مطابع[4] نے تصحیح کا پورا اہتمام کیا ہو۔ اور اگر ان لوگوں سے کچھ کوتاہی ہوئی ہے وہ بھی سب کو بلا اختلاف معلوم ہے لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کا کسی وقت نام ہی نام رہ جائے گا صورت بھی نہ رہے گی۔ بلکہ صورت قرآن ہمیشہ رہے گی۔ البتہ اسلام کی اس خاص وقت میں صورت بھی نہ رہے گی بلکہ صرف نام ہی رہ جاوے گا اس سے خود یہ بات ظاہر ہے کہ رسم کا درجہ اسم سے بڑھا ہوا ہے اس پر اگر کسی کو یہ سوال ہو کہ کیا ہمارا اسلام صورت اسلام بھی نہیں حالانکہ ہم نماز روزہ وغیرہ بہت کچھ کرتے ہیں تو سمجھو کہ محاورات

۱۔ جھگڑا ۲۔ نقش ۳۔ نام ۴۔ چھاپنے والوں نے

میں اعمال و اقوال کے متعلق اکثر کا اعتبار ہوتا ہے مثلاً ایک بستی میں آپ کے دشمن زیادہ ہوں اور دوست ایک دو ہوں تو آپ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بستی ساری میری دشمن ہے اسی طرح ایک شخص آپ کے ساتھ دشمنی کے برتاؤ زیادہ کرتا ہے اور دوستی کے کم تو اس کو دشمن ہی کہا جاتا ہے دوست برائے نام بھی نہیں کہا جاتا۔ اس قاعدہ پر نظر کرکے دیکھا جائے کہ اس وقت مسلمانوں میں نماز روزہ ادا کرنے والے کتنے ہیں معلوم ہو جائے گا کہ بہت کم ہیں زیادہ وہی لوگ ہیں جن کی صورت و وضع اعمال و اقوال ہی شریعت سے بہت دور ہیں تو مجموعہ پر نظر کرکے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مسلمانوں میں اسلام کا نام ہی رہ گیا۔ صورت بھی نہیں رہی کیونکہ اسلام کا مصداق تو یہی اعمال ظاہرہ تھے۔ پھر جو لوگ نماز وغیرہ کرتے بھی ہیں ان میں بھی یہ دیکھا جائے کہ ایسے کتنے آدمی ہیں جن کی نماز صورت میں درست ہے قاعدہ کے موافق ہے سارے مجموعہ پر نظر کرکے اوسط یہی نکلے گا کہ اکثر کی نماز خراب ہے غرض ہماری حالت یہ ٹھہری کہ اکثر اعمال میں حقیقت تو کیا ہوتی صورت بھی کامل نہیں۔

نماز میں کی جانی والی کوتاہیاں

کیونکہ عبادت کی حقیقت تو یہ ہے کہ جس کو ایک حدیث میں اس طرح بتلایا گیا ہے ان تعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ حق تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ تم اگر نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا مقتضا بھی عبادت کا اسی طرح کرنا ہے جیسا اگر تم دیکھتے ہوتے اگر اس مراقبہ کے ساتھ نماز ادا کی جائے تو اس وقت نماز کی حقیقت موجود ہوگی مگر ایسی نماز تو بھلا کون پڑھتا ہے اس لیے حقیقت کا تو پتہ ہی نہیں لیکن حقیقت کامل نہ ہو تو کم از کم صورت تو کامل ہوتی افسوس یہ ہے کہ ہمارے اعمال

کی صورت بھی خراب ہے مثلاً نماز ہی میں قیام کا ادب یہ ہے کہ نظر سجدہ گاہ کی جگہ سے بہت آگے رہتی ہے چنانچہ نماز میں سر اٹھا کر کھڑے ہوتے ہیں بعضے دیواروں پر چھت پر نظر دوڑاتے ہیں۔ قراءات کا ادب یہ ہے کہ ہر لفظ تدبر[1] و فکر کے ساتھ زبان سے نکالیں؛ یہاں یہ حالت ہے کہ آموختہ[2] سا یاد کرلیا ہے کھڑے ہوئے اور حافظوں کی طرح آموختہ[3] سنادیا نیز قراءات کا یہ بھی ادب ہے کہ ہمیشہ کے لیے چھوٹی ہی سورت متعین نہ کی جائے ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے چھانٹ کر چھوٹی چھوٹی سورتیں مقرر کرلی ہیں انااعطینا، قل هوالله، لایلف قریش، والعصر بس ساری نمازیں انہی سے ادا ہوتی ہیں پھر غضب یہ ہے کہ ان چند سورتوں کی بھی تصحیح کا خیال نہیں کرتے الحمد کو الہمد پڑھتے ہیں انا اعطینا کو انا آتینا پڑھتے ہیں جس کو عربی زبان کوئی نہیں کہہ سکتا کیونکہ الہمد یہ عربی لغت نہیں ہے وعلیٰ ہذاالقیاس[4] رکوع کا قاعدہ یہ ہے کہ سر اور کمر اور سرین[5] سب برابر سطح مستوی[6] کی طرح رہیں یہاں یہ حالت ہے کہ کمر اونچی رہتی ہے سر کبھی بہت جھکا ہوا ہے کبھی اونچا اٹھا ہوا، رکوع میں نظر پیروں پر رہنی چاہیے ہماری نگاہ بہت دور پہنچتی ہے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے مگر بہت لوگ سیدھی طرح کھڑے نہیں ہوتے بس یوں ہی سر کا ذرا سا اشارہ کرکے دھم سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں بعض لوگ جلدی میں تین بار بھی تسبیح پوری نہیں کرتے پھر سجدہ کی ہیئت بھی خلاف قاعدہ بنا رکھی ہے کہنیاں زمین پر رکھی ہوتی ہیں بازو اچھی طرح نہیں کھلتے کمر جھکی ہوئی رہتی ہے حالانکہ سجدہ میں کمر اونچی رہنی چاہیے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھ کر دوسرا سجدہ کرنا چاہیے بہت آدمی سجدہ کرکے

۱۔ غور و فکر ۲۔ زبانی سبق رٹا ہوا ہے ۳۔ سبق ۴۔ اس پر دوسری غلطیوں کو قیاس کرلو ۵۔ کولہے ۶۔ ہموار

سیدھی طرح نہیں بیٹھتے بس ذرا سا سر کا اشارہ کرکے دوسرا سجدہ شروع کر دیتے ہیں تو بھلا اس حالت میں صورت بھی درست کہاں رہی۔

نقل کامل کی عجیب مثال

صورت تو اس کو کہتے ہیں کہ عالمگیر جب تخت نشین ہوئے تو مبارک باد کے لیے جہاں سب لوگ آئے وہاں ایک بہروپیہ بھی آیا تھا بادشاہ متبع شریعت[1] تھے بہروپیہ کو انعام کس مد سے دیں اور تقویٰ بھگاریں تو عرفاً شان شاہی کے خلاف اس لیے آپ نے ایک لطیف حیلہ[2] سے ٹالنا چاہا فرمایا کہ انعام دیا جاتا ہے کمال پر تم ہم کو اپنا کمال دکھلاؤ تب انعام دیں گے اور تمہارے کمال کا معیار یہ ہے کہ ایسا بہروپ اختیار کرو جس میں ہم تم کو پہچان نہ سکیں۔ عالمگیر کو اپنی فراست پر ناز تھا وہ سمجھتے تھے کہ یہ جس بہروپ میں بھی آئے گا میں ضرور پہچان لوں گا اور واقعی اس نے مختلف قسم کی صورتیں بنائیں مگر عالمگیر نے ہر دفعہ پہچان لیا آخر جب عالمگیر نے دکن کا سفر کیا تو جتنے شہر اور قصبے راستہ میں آتے تھے سب کے حکام کو اطلاع دی گئی کہ جس شہر میں جو بزرگ ہوں ان کے نام اور احوال سے اطلاع دی جائے یہ بہروپیہ بھی راستہ میں ایک شہر کے قریب کسی پہاڑی پر جا بیٹھا اور اپنا چیلا شہر میں چھوڑ دیا اس نے مشہور کرنا شروع کیا کہ فلاں پہاڑ پر ایک بڑے پہنچے ہوئے بزرگ رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی طرف رجوعات[3] شروع ہوئیں اور بڑی شہرت ہو گئی۔ چنانچہ بزرگوں کی فہرست میں حاکم شہر نے اس کا نام بھی لکھ بھیجا عالمگیر قطع منازل[4] کرتے ہوئے اور ہر شہر کے بزرگوں سے ملتے ملاتے دعائیں لیتے ہوئے یہاں بھی پہنچے تو ان حضرت سے

۱۔ احکام شریعت کی پیروی کرنے والے ۲۔ ایک اچھی تدبیر ۳۔ لوگوں نے اس کے پاس آنا شروع کر دیا ۴۔ سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے

ملنے کا ارادہ ہوا لیکن پہلے وزیر کو احتیاطاً بھیجا کہ جا کر دیکھو یہ شخص واقعی بزرگ ہے یا نہیں وزیر نے جو آ کر ملاقات کی تو بہروپیہ نے سلوک و تصوف کے بہت سے مضامین اور علوم و معارف بیان کیے جو وزیر کے خواب میں بھی نہ آئے تھے پہلے زمانہ میں یہ لوگ علوم حاصل کرتے تھے محض پیشہ ہی نہ تھا بلکہ ایک فن ہو گیا تھا۔ وزیر نے واپس آ کر بہت تعریف کی کہ میں نے تو ایسا بزرگ ایک بھی نہیں دیکھا اگر آپ ان سے ملاقات نہ کریں گے تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ نے بزرگوں کو دیکھا ہی نہیں عالمگیر کو یہ سن کر اشتیاق زیادہ ہوا زیارت کو چلے جا کر بیٹھے تو ان حضرت نے عالمگیر کے سامنے بھی استغناء[1] و توکل خوب ظاہر کیا بزرگوں کے ملفوظات و حکایات و علوم خوب بیان کیے جن سے عالمگیر کو بڑی خوشی ہوئی اس کے بعد بادشاہ نے بیس ہزار اشرفیوں کے توڑے نذر کیے بہروپیہ نے واپس کر دیے اور کہا کہ اپنی طرح مجھ کو بھی دنیا پرست[2] بنانا چاہتے ہو جاؤ لے جاؤ۔ عالمگیر نے خجلت[3] کے ساتھ نذر اٹھالی اور اجازت لے کر واپس ہوئے۔ راستہ میں بادشاہ وزیر دونوں تعریف کرتے جا رہے تھے کہ حقیقت میں ایسا بزرگ نظر سے نہیں گذرا اس وقت بہروپیہ صاحب بھی پیچھے پیچھے جا رہے تھے بادشاہ کی جو نظر پڑی تو اس نے جھک کر سلام کیا اور وہی دعائیہ کلمات جو بہروپیوں کی اصطلاح ہے عرض کیے۔ عالمگیر نے کہا آبا یہ بزرگ آپ تھے واقعی یہ نقل تم نے خوب کی ہم بالکل نہیں پہچان سکے۔ پھر خیمہ میں پہنچ کر پانچ سو روپیہ انعام دیے جس کو بہروپیہ نے بڑی خوشی سے قبول کیا اس کے بعد عالمگیر نے اس سے سوال کیا کہ ایک بات تو بتلاؤ تم نے بیس ہزار اشرفیاں تو ناک پر مار کر واپس کر دیں اور پانچ سو روپیہ اس خوشی سے لے لیے اس کی کیا وجہ تھی؛ اگر تم اس وقت ساری اشرفیاں لے

۱۔ بے نیازی ۲۔ دنیا کا دلدادہ ۳۔ شرمندگی

لیتے تو حقیقت معلوم ہوجانے کے بعد بھی ہم اس کو تم سے واپس تھوڑا ہی لیتے۔ اس کا جو جواب بہروپیہ نے دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

کہا حضور یہ خوب جانتا تھا لیکن اس وقت میں نے صوفیہ کا بہروپ بنا رکھا تھا اس وقت اگر میں نذر قبول کرلیتا تو نقل غلط ہوتی جو میرے کمال کے لیے دھبہ تھا جب نقل کامل ہوچکی تھی تو اب جو کچھ حضور نے عطا فرمایا ہے یہ میرے کمال کا صلہ ہے اس کو میں نے خوشی سے قبول کیا کیونکہ میرا گذارا اسی پر ہے۔ صاحبو! نقل کے یہ معنیٰ ہیں جو اس بہروپیہ نے سمجھے افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ نماز روزہ کی نقل بھی تو پوری نہیں کرتے۔ ہمیں صورت صلوٰۃ[۱] کی اتنی رعایت تو کرنی چاہئے جیسے اس بہروپیہ نے صورت بزرگی کی رعایت کی۔ پھر صورت ظاہراً کامل ہونے کے بعد بھی وہ نقل ہی ہوگی حقیقت جب بھی نہ ہوگی حقیقت تو اس وقت ہوگی جبکہ قلب حاضر[۲] ہو اور حضور قلب کے معنیٰ فنا[۳] کے نہیں ہیں کہ ایسی یکسوئی ہو کہ کسی چیز کی بھی خبر نہ ہو یہ تو اکابر کی باتیں ہیں میں تو ایک معمولی بات بتاتا ہوں جس پر ہر ایک کو عمل سہل ہو۔

ہماری مثال واجد علی کے احدیوں کی سی ہے

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم واجد علی شاہ کے احدی بنے ہوئے ہیں کہ آسان سے آسان کام بھی ہم سے نہیں ہوتا واجد علی شاہ کے زمانہ میں کاہلوں کی ایک جماعت تھی جو احدی کے لقب سے مشہور تھے وہ کاہلی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے جن کا ایک قصہ یہ ہے کہ دو احدی ایک جگہ جمع تھے ایک لیٹا ہوا ایک بیٹھا ہوا سامنے سے ایک سوار گذرا تو بیٹھے ہوئے احدی نے اسے پکارا کہ اے میاں سوار اے میاں سوار ذرا خدا کے واسطے یہاں آنا، وہ سمجھا کہ کوئی کام ہوگا۔ آیا پوچھا بتلایا

۱۔ نماز کی شکل ۲۔ دل حاضر ہو ۳۔ مٹا دینا

کہتا ہے کہنے لگا کہ یہ بیر جو میرے سینہ پر رکھا ہوا ہے ذرا میرے منہ میں ڈال دے اس نے کہا کم بخت اتنا کام تجھ سے نہیں ہوسکتا تھا جو میرا راستہ کھوٹا کیا پھر اس کے ساتھی سے کہا کہ ارے اتنا کام تو نے بھی نہ کردیا تو وہ کہنے لگا کہ بس میاں ایسی بات مجھ سے نہ کہنا میں دوں گا اس کے منہ میں بیر اس سے اتنا تو ہو ہی نہ سکا کہ کل میں لیٹا تھا اور میرا منہ کھلا تھا ایک کتا آکر منہ میں پیشاب کرنے لگا اس کو ہٹا ہی دیتا سوار نے دونوں پر لاحول پڑھی کہ کم بخت دونوں منحوس ہیں۔ واقعی دین کے بارہ میں ہماری حالت بالکل ان احدیوں کے مشابہ ہے کہ ہم سے دین کا آسان سے آسان کام بھی نہیں ہوسکتا۔

نماز میں حضور قلب کے معنیٰ

سو حضور قلب کی حقیقت نہایت سہل[۱] ہے مگر ہوتی ہے کرنے سے وہ ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: من صلی رکعتین مقبلاً علیهما بقلبه لم يحدث فيها نفسه دخل الجنة ۔ جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھ لے کہ دل سے ان پر متوجہ ہو اور اپنے جی سے باتیں نہ کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس سے حضور قلب کی یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ نماز پر دل سے متوجہ ہو یعنی ہر رکن کے ادا کرنے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں پھر ہر رکن کو نماز کے قاعدہ پر ادا کرے بتلائیے تو یہ کیا مشکل کام ہے۔ اگر کسی کو خطرات و وساوس آتے رہیں تو یہ حضور قلب کے منافی[۲] نہیں پس اتنا ضروری ہے کہ خود وساوس نہ لاوے اور جو آتے ہوں ان کی طرف التفات[۳] نہ کرے دیکھیئے کس قدر تو آسان مگر ہم سے یہ بھی نہیں ہوسکتا وجہ ساری یہ ہے کہ دین کا اہتمام ہی قلب میں نہیں رہا اب بتلائیے جب ہمارے اعمال کی صورت بھی شریعت کے موافق نہیں تو یہ

۱۔ آسان ۲۔ یہ حضور قلب کے خلاف نہیں ہے ۳۔ توجہ

کیونکر کہا جائے کہ ہمارے اسلام میں صورت اسلام ہے بس یہی کہا جائے گا کہ اسلام نام کا رہ گیا ہے۔ پھر زیادہ افسوس یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کسی کو دین کا تھوڑا بہت خیال بھی ہوتا ہے تو وہ دین و سلام کی ساری اصلاح کا طریقہ صرف بیعت ہونے کو سمجھتا ہے کہ بس کسی سے مرید ہوجاؤ پھر خود بخود اصلاح ہوجائے گی بلکہ بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ پیر ہم سب کی طرف سے کافی ہوجائے گا ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پس یہ لوگ اعمال کا مطلق اہتمام نہیں کرتے صرف پیروں کے نذرانہ کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کی سالانہ نذر قضا نہ ہوجائے سال بھر کی نماز روزہ قضا ہوجائے اور یہ مذاق بگاڑا ہے ان دوکان دار پیر زادوں نے کہ انہوں نے عوام کو یہی سمجھا رکھا ہے کہ بس سلسلہ میں داخل ہوجانا نجات کے لیے کافی ہے تمہیں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے عوام انہیں کے بھروسہ پر رہتے ہیں۔

جاہل پیر کی حکایت

ایک ایسے ہی پیر اپنے مریدوں کے گاؤں میں گئے تھے ایک گوجر کے مہمان ہوئے اس نے کہا پیر توں تو (یعنی تو تو) بڑا دبلا ہورہا ہے۔ پیر صاحب بولے کہ دبلا کیونکر نہ ہوں تم لوگ نماز نہیں پڑھتے مجھے سب کی طرف سے نماز پڑھنی پڑتی ہے روزہ نہیں رکھتے مجھے سب کی طرف سے روزے رکھنے پڑتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے سب کی طرف سے پل صراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اس مصیبت سے دبلا ہوگیا۔ گوجر بولا وہ وہ (یعنی تعجب) تو تو بڑا کام کرے ہے جا میں نے فلانا موجی کا کھیت تجھ کو دیا۔ پیر صاحب بڑے خوش ہوئے مگر ساتھ ہی یہ بھی فکر ہوئی کہ ان گنواروں کا کیا اعتبار ایسا نہ ہو کہ پھر زبان سے پھر جائے اس لیے کہا کہ چودھری جی پھر کھیت پر قبضہ

کرادو۔ اس نے کہا ہاں ہاں چل ابھی قبضہ کرلے اس نے پیر کو تو آگے کیا اور خود پیچھے رہا اور ایسے راستہ لے چلا جہاں ایک ڈول[1] چل رہی تھی اور بعض جگہ ڈول تازی بنی ہوئی تھی وہاں پھسلن بہت ہوتی ہے۔ پیر صاحب ایک جگہ پھسل کر گرے تو پیچھے سے چودھری نے ایک لات دی کہ ابے تو تو یوں کہتا تھا کہ میں پل صراط پر چڑھ کروں ہوں جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے تو ایک بالشت کی ڈول پر تو چل ہی نہیں سکتا پل صراط پر کیا چلتا ہوگا تو جھوٹا ہے جا میں کھیت نہیں دیتا واقعی وہ پیر تو اسی قابل تھا۔ ور خیر بعض لوگ اتنے نادان تو نہیں اس لیے وہ خود بھی عمل کرتے ہیں مگر امراض قلب کے علاج میں وہ بھی کوشش نہیں کرتے بس ان کی زیادہ دوڑ یہ ہوتی ہے کہ جب گناہوں کا خیال آیا تو پیر کے پاس آئے کہ حضور ایسی توجہ کردیجیے کہ گناہوں سے نفرت ہوجائے چاہے پیر صاحب کو خود بھی نفرت نہ ہو بلکہ معاصی[2] کی طرف میلان ہوتا ہو کیونکہ میلان تو نقص نہیں ہاں اس پر عزم یا عمل کرنا یہ نقص ہے پس زوال میلان کی طلب کرنا گویا فرشتہ ہوجانے کی درخواست کرنا ہے انسان تو میلان سے خالی نہیں ہوسکتا اس کا تو کمال ہی یہ ہے کہ باوجود میلان کے پھر معاصی سے بچتا ہے بدون میلان کے معاصی سے بچنے میں کیا کمال ہوگا تو یہ بھی ان کی غلطی ہے کہ توجہ ہی پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں۔ صاحبو! جو کام تمہارے کرنے کا ہے وہ دوسروں کے کیے نہ ہوگا اگر دوسروں کے کیے کچھ ہوسکتا تو حضور ﷺ ابو طالب کا کام کرنے کے لیے کیوں نہ کافی ہوجاتے۔ حضور ﷺ نے بہت ہی کوشش کی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں۔ مگر وہ ایمان نہ لائے تو حضور ﷺ بھی کچھ نہ کرسکے اس پر یہ آیت نازل ہوئی انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء (بے شک جس کو تم محبوب رکھتے

۱۔ کھیتوں میں جو کچی پگڈنڈی ہوتی ہے چلنے کے لیے ۲۔ گناہوں

اس کو ہدایت نہیں کرسکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیں)۔

دیکھیے بچہ اگر بیمار ہو تو شفا اس کے ہی دوا پینے سے ہوگی باپ کا کام یہ ہے کہ نسخہ لکھوا دے دوا لادے اس کو تیار کردے مگر یہ تو اس کا کام نہیں کہ خود پی بھی لے اور اس کے پینے سے لڑکا اچھا ہو جائے اگر لڑکا دوا نہ پیئے تو ماں باپ کیا کرسکتے ہیں شفا تو اسی کے پینے سے ہوگی یہی حال اصلاح نفس کا ہے، چنانچہ نفس میں اس کی تصریح ہے وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ (انسان کے لیے وہی ہے جس کی کوشش کرے) معتزلہ نے اس آیت سے ایصال ثواب کی نفی پر استدلال کیا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ اس جگہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو بات عمل پر موقوف ہے وہ بدون[1] عمل کے حاصل نہ ہوگی بلکہ اپنے ہی عمل سے حاصل ہوگی اور ثواب ہر جگہ عمل پر موقوف نہیں ہے چنانچہ دیگر نصوص ایصال ثواب یا تسبب ثواب[2] کے اس پر شاہد[3] ہیں یہ بات کام کی اس آیت کے متعلق ابھی ذہن میں آئی ہے جو بہت بے تکلف ہے۔

خلاصہ وعظ

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضور قلب کی حقیقت حدیث کے اس لفظ سے معلوم ہو رہی ہے مقبلاً علیہما بقلبہ (ان پر دل سے متوجہ ہو) تو یہ کیا مشکل کام ہے کہ اپنی توجہ کو ادھر ادھر نہ لے جاؤ بتلایئے اس میں کیا دشوار ہے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اس کا بھی ذرا اہتمام نہیں نماز میں ہی تمام وساوس ہم کو سوجھتے ہیں غرض حقیقت صلوۃ تو حضور قلب سے حاصل ہوتی ہے اور صورت صلوۃ اس طرح حاصل ہوگی کہ کوئی کتاب مسائل کی جس میں نماز کے فرائض و واجبات و سنن و مستحبات بیان ہوں لے کر پڑھو اور آج کل اردو میں ایسے رسائل بکثرت شائع ہوگئے ہیں اگر

۱۔ بغیر ۲۔ ثواب پہنچنے یا ثواب کا سبب بنے ہونے کے ۳۔ گواہ

حضور قلب ابھی حاصل نہ ہوسکے تو کم از کم صورت صلوٰۃ تو کامل کرلو۔ اور حضور کے لیے کوشش کرتے رہو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ آپ کی نماز میں صورت صلوٰۃ موجود ہے۔ یہ تو صرف نماز کا بیان تھا اس کے بعد اپنی ساری باتوں کو دیکھو، یعنی دین کو اور معاملات و معاشرات کو تو ہر شعبہ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ ہماری کوئی حالت ظاہر میں بھی شریعت کے مطابق نہیں لہذا اکثر کے اعتبار سے یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ لایبقیٰ من الاسلام الا اسمہ (اسلام سے اس کا نام ہی باقی رہ جائے گا) جب ہمارا اسلام برائے نام ہے اور ضرورت ہے ترقی کی چنانچہ ترقی کی ضرورت پر سب کا اتفاق ہے اور ترقی ہوتی ہے تدریجاً[1] تو ہم کو چاہیئے کہ پہلے درجہ اسم سے رسم تک ترقی کریں[2] پھر ان شاء اللہ تعالیٰ درجہ رسم سے حقیقت تک بھی وصول ہوجائے گا اس سے معلوم ہوا کہ حالت موجودہ بھی بے کار و فضول نہیں یہ بھی غنیمت ہے۔ ع

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے (مصیبت ہوتی اگر یہ بھی نہ ہوتی)

مگر اس کو کافی نہ سمجھو بلکہ تکمیل کی فکر کرو مجھ کو سب سے زیادہ مقصود اس حدیث کا جزو اول تھا۔ دوسرا جزو تبعاً مذکور ہوگیا اور بحمد اللہ مقصود کے متعلق کافی بیان ہوچکا ہے۔ اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں اور اخیر میں ترقی کے متعلق اتنا اور کہتا ہوں کہ وہ اگر مقصود بھی ہے تو مقصود بالذات نہیں دین کے تابع ہے جب ہم خدا کو راضی کرلیں گے تو اس کے ہاتھ میں سب خزائن رحمت ہیں وہ ہماری مدد کریں گے پس سب سے مقدم اپنے دین کی درستی ہے جب اس تدبیر پر ہر شخص عمل کرے گا تو ہر ایک کی حالت درست ہوجائے گی جس سے مجموعہ خود بخود درست ہوجائے گا پھر اسلام کی حالت جس کو تم رو رہے ہو درست ہوجائے گی کیونکہ

۱۔ درجہ بدرجہ ۲۔ نام کے درجہ سے نقش کے درجہ تک

تمہاری ہی کمزوری سے اسلام میں ضعف آیا تھا جب تم قوی تندرست ہوجاؤ گے اسلام بھی قوی ہوجائے گا اور تمہاری قوت کا طریقہ بجز[1] اس کے کچھ نہیں کہ تم اپنی حالت کی اصلاح کا اہتمام کرو اور خدا تعالیٰ کو راضی کرو۔ جس کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ جو لوگ اصلاح کے طریقے جانتے ہیں ان سے رجوع کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

این ہمہ گفتیم والیک اندر بسیج   بے عنایات خدا ہیچیم ہیچ

بے عنایات حق وخاصان حق   گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(یعنی ہم نے اوپر بہت سے وعظ و نصیحت کی ہے لیکن جس کام کے پختہ ارادہ کرنے میں جب تک حق تعالیٰ کی عنایت نہ ہو ہم محض ہیچ ہیں اور بدون خدا تعالیٰ اور خاصان خدا کی عنایت کے تو اگر فرضا فرشتہ بھی ہو تو تیر اور ورق سیاہ یعنی اعمال محض سیاہ ہوں گے ١٢)۔

اور خاصان حق کی عنایت حاصل کرنے کا بھی طریقہ یہی ہے کہ تم اپنی تکمیل کی کوشش کرو ان کے عنایت و کرم کے لیے روپیہ پیسہ نہیں چاہئیے بلکہ وہ تو اسی سے خوش ہوتے ہیں جس کو کام میں لگا ہوا دیکھتے ہیں گو خدمت کچھ بھی نہ کرتا ہو۔ بچہ جتنا شوقین ہوتا ہے استاد کی عنایت اتنی ہی بڑھتی ہے۔ یہی قاعدہ یہاں بھی ہے۔ اب دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ توفیق زیادہ دے۔

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین والحمدللہ رب العلمین۔

(اس کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے حسب معمول ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی) اور دعا پر بیان ختم ہوا۔ ١٢ (جامع)

١۔ سوائے اس کے